کئی چراغ جل گئے

اسماء قادری

KitabPk.Com

نیو سٹوڈنٹ لائبریری
ہسپتال روڈ صادق آباد
نوٹ کتاب کے اوپر لکھنا منع ہے۔ کتاب پھٹی
نہ ہو نہ ہی خراب ہو ورنہ کتاب کی قیمت
بمعہ جلد کرایہ وصول کیا جائیگا شکریہ
Ph. 068-5704367

KitabPk.Com

رسمار قادری

"آئی ایم ویری سوری پھپھو! میں یہ شادی نہیں کرنا چاہتی' اس لیے میں عباس سے اپنا رشتہ ختم کر رہی ہوں۔" اپنی انگلی میں موجود انگوٹھی اتار کر اس نے پھپھو کے سامنے ٹیبل پر رکھ دی۔

ڈرائنگ روم جو ابھی تھوڑی دیر پہلے مچھلی بازار بنا ہوا تھا۔ جہاں سے پھپھو کے رعونت آمیز چیختے نعرے' ابا کا کبھی بلند اور کبھی پست ہوتا لہجہ' اماں کی پریشانی میں ڈوبی آواز اور صدیق ماموں کی مصالحانہ باتیں باہر لاؤنج تک سنائی دے رہی تھیں۔ یکدم ہی وہاں ایسی خاموشی چھا گئی جیسے جملہ افراد کو کسی نے جادوئی چھڑی کے ذریعے سر بہ لب کر دیا ہو۔

ان لوگوں کے ردِعمل پر ذرا کوئی غور کیے بغیر اس نے جس سکون اور ٹھہرے ہوئے لہجے میں اپنی بات کی تھی اسی پُرسکون انداز میں وہاں سے باہر نکل گئی۔ اس کے باہر نکلتے ہی گویا کمرے کا منظر ایک بار پھر جاگ اٹھا۔

"اس چھٹانک بھر کی لڑکی کی ہمت جو میرے منہ پر انگوٹھی مار گئی۔ ایسی تربیت کی ہے تم نے اپنی بیٹی کی۔ بڑے گُن گاتے جاتے تھے اپنی بیٹی کی سمجھداری اور فرمانبرداری کے۔ میری خوشی یہ' میری خوشی وہ' دیکھ لی آج میں نے تمہاری بیٹی کی صلاحیت۔ شکر ہے کہ اس آفت کی پرکالہ کو گھر لے جانے سے پہلے ہی میری جان چھوٹ گئی۔ اب دیکھتی ہوں کون بیاہنے آئے گا اس

مکمل ناول

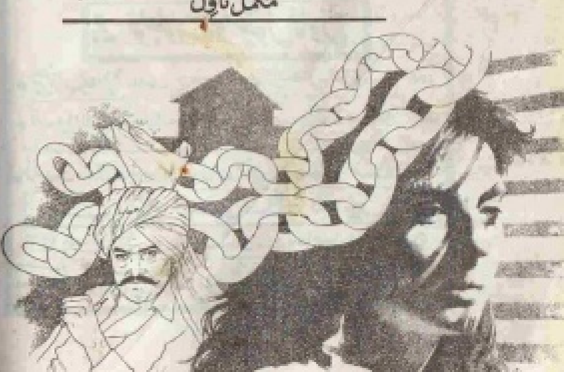

بدتمیز لڑکی کو۔ بلکہ میں تو کہتی ہوں یہ تو گیا اس کے بعد جو چار بیٹھی ہیں۔ انہیں بھی کوئی نہیں پوچھے گا۔ جبھی یہ خود ہے ایسی ہی پھوپھیاں بھی رہیں گی۔ آخر تو بڑا ہو گا بڑی بہن کا۔"

پھپھو ایک تواتر سے بول رہی تھیں۔ درمیان میں اماں کے بار بار معذرت کرنے کی کوشش بھی اس روانی میں کوئی خلل نہیں ڈال رہی تھی۔

"جا رہی ہوں نصیر بھائی! اب لوٹ کر اس گھر میں نہیں آؤں گی۔ آج سے میرا آپ لوگوں سے ہر رشتہ ختم۔ آپ کی اولاد نے جو گل کھلایا ہے اس کے بعد تعلق رکھنے کی کوئی گنجائش بچی بھی نہیں ہے۔ آپ دیکھیے گا ساری زندگی اپنی بیٹی کو اپنے گلے کا ہار بنا کر۔ میں تو اس شان اور دھوم سے اپنے بیٹے کی شادی کروں گی کہ دنیا دنگ ہو کر دیکھے گی اور آپ کی بدقسمتی پر افسوس کرے گی۔"

ساکت بیٹھے بھائی کی طرف رخ کرتے انہوں نے اعلان کرنے والے انداز میں اپنے عزائم کا اظہار کیا اور اماں کے روکنے کی کوشش کو خاطر میں نہ لاتی حسب روایت گھر سے باہر نکل گئیں۔

اماں سے اور کچھ نہیں بن سکا تو سر پکڑ کر رونے بیٹھ گئیں۔ جب کہ ابا کی خاموشی ہنوز برقرار تھی۔ البتہ چہرے پر زلزلے کے آثار دیکھے جا سکتے تھے۔ کمرے میں موجود واحد شخص جس کے چہرے پر اطمینان تھا اسد بھائی تھے۔

☼ ☼ ☼

"اماں! میں یونیورسٹی جا رہی ہوں ڈگری نکلوانے کے لیے فارم جمع کروانا ہے۔"

"ہاں تو جاؤ بھلا تمہیں اطلاع دینے کی کیا ضرورت، تم خود مختار ہو جو بھی چاہے وہ کر سکتی ہو۔" اس نے کچن میں بیٹھی اماں کو مخاطب کیا تو جواب میں گزشتہ تین دن سے روا رکھے جانے والے رویے کو برقرار رکھتے ہوئے انہوں نے جلی کٹی سنائی۔ غنوی آنکھوں میں آ جانے والے آنسوؤں کو پیتی باہر نکل گئی۔ لاؤنج میں ابا بیٹھے اخبار پڑھ رہے تھے۔

"اچھا ابا! میں جا رہی ہوں اللہ حافظ۔" وہ کچھ دیر وہاں کھڑی رہی لیکن حسب سابق کوئی جواب نہ آیا۔ ابا کا رویہ اماں سے بھی زیادہ تکلیف دہ تھا۔ اماں طعنے تشنے دے کر اسے برا بھلا کہتی تھیں لیکن کم از کم مخاطب تو ہوتی تھیں۔ ابا نے تو اس سے کلام ہی ترک کر رکھا تھا۔ خود پر قابو پاتی گھر سے باہر نکل گئی۔

وہ اپنے ماں باپ کی پیاری بیٹی ایک غیر منصفانہ رویے کے خلاف احتجاج کرنے کے جرم میں معتوب ٹھہرا دی گئی تھی۔

یونیورسٹی پہنچ کر اپنے مطلوبہ کام کو انجام دینے میں اسے زیادہ وقت نہیں لگا تھا۔ اس نے سوچا کیوں نہ اپنے اساتذہ سے ملاقات کر لی جائے۔ ڈیپارٹمنٹ میں تین پروفیسرز تھے جو اس کی ذہانت اور محنت کو قدر کی نگاہ سے دیکھتے ہوئے اس سے خصوصی سلوک کرتے تھے۔ اسے تو بھی اپنے ان اساتذہ سے بے حد لگاؤ تھا۔ کچھ اس لگاؤ کی وجہ سے اور کچھ یہ سوچ کر کہ ان میں سے کوئی نوکری کی تلاش میں اس کا مددگار ثابت ہو سکتا ہے۔ وہ ان سے ملنے جا پہنچی۔ باری باری ہر ایک سے ملنے میں اسے کافی وقت لگ گیا تھا۔ وقت کا وہ افسوس نہ کرتی اگر اسے اپنے خلوص و محبت کے زیاں کا احساس نہ ہوتا۔ کتنی جلدی سب کچھ بدل جاتا ہے۔ وہی ڈیپارٹمنٹ جہاں اس نے پورے دو سال گزارے تھے۔ یکدم ہی اجنبی سا لگنے لگا تھا۔ نئے چہرے تھے جنہوں نے خالی جگہوں کو پر کر دیا تھا۔ وہ پروفیسرز جو کل تک اس کی تعریفیں کرتے نہ تھکتے تھے، اب نئے اسٹوڈنٹس کی تعریفوں میں رطب اللسان تھے۔ غنوی نصیر اگرچہ انہیں بھولی نہیں تھی لیکن وہ اب اتنی اہم بھی نہ رہی تھی۔

اس کا دل یوں بھی اداس ہی تھا شاید اس لیے اس نے اور زیادہ محسوس کیا۔ تھکی تھکی سی وہ گھر لوٹ آئی۔

"آپی! آپ کا فون ہے۔ نوشابہ باجی بات کریں گی۔"

پیروں کو سینڈل کی قید سے آزاد کر کے وہ تھوڑا سا ریلیکس ہوئی ہی تھی کہ سونیا نے اسے اطلاع دی۔ طوعاً و کرہاً فضول باتوں کے لیے تیار کرتی وہ ٹیلی فون اسٹینڈ تک آئی۔

"السلام علیکم! کیا حال ہے نوشابہ! خیریت سے ہو۔" باوجود کوشش کے اپنے لہجے کی بیزاری پر مکمل قابو نہیں پا سکی تھی۔

"میں تو الحمدللہ ٹھیک ہوں۔ لیکن تمہیں کیا ہوا، تمہاری آواز کچھ اداس اداس سی لگ رہی ہے۔" نوشابہ کا متجسس لہجہ اس کی سماعتوں سے ٹکرایا تو وہ جھنجلا سی گئی۔ وہ جانتی تھی اس کی اور عباس کی منگنی ٹوٹنے سے باخبر ہو چکی ہو گی اور اب بہانے سے مزید تفصیلات جاننے کی کوشش کر رہی تھی۔

"میں ہر گز بھی اداس نہیں ہوں۔ ابھی تھوڑی دیر پہلے یونیورسٹی سے واپس آئی ہوں اس لیے شاید تھکن کی وجہ سے آواز ٹھیک طرح نہیں نکل رہی۔" اس نے نوشابہ کے اندازے کی پرزور تردید کی۔

"ہو سکتا ہے تم ٹھیک کہہ رہی ہو۔" نوشابہ کا لہجہ "میں نہ مانوں" کا عکاس تھا۔

"ایک بات پوچھوں غنوی؟" بظاہر اس نے بہت جھجک کر پوچھا تھا لیکن غنوی جانتی تھی کہ اس کے فون کرنے کا مقصد کیا ہے۔

"ہاں پوچھو۔" اس نے نوشابہ کے سوالوں کے لیے خود کو تیار کیا۔ بہرحال اسے اس پوزیشن سے اب بار بار گزرنا تھا۔

"پھپھو آئی تھیں کل رات، امی سے کہہ رہی تھیں کہ انہوں نے تمہارا اور عباس بھائی کا رشتہ ختم کر دیا ہے۔"

"رشتہ انہوں نے نہیں بلکہ خود میں نے توڑا ہے۔" غنوی نے حقیقت بتلائی۔

"چلو جو بھی ہوا۔ لیکن تمہیں دکھ تو ہوا ہو گا۔ آخر پانچ سال سے تم دونوں کا رشتہ طے تھا۔" نوشابہ نے کریدنا چاہا۔

"جو بات ختم ہو گئی اس پر مزید گفتگو کرنا بے کار ہے نوشابہ! کیوں نہ ہم کوئی اور بات کریں۔" اپنے دل کی خبر اتنی آسانی سے دینے والی نہیں تھی غنوی بھی۔

"اچھا یہ بتاؤ یونیورسٹی کیوں گئی تھیں۔ اب تو تمہارا رزلٹ بھی آ چکا۔"

"ڈگری نکلوانا تھی۔" غنوی نے مختصراً وضاحت کی۔

"پھپھو کہہ رہی تھیں غنوی بہت دیدہ دلیر ہو چکی ہے۔ جانے اس نے یونیورسٹی میں کون کون سے چکر چلا رکھے ہیں۔ اس لیے اب عباس کو گھاس نہیں ڈال رہی۔ تم بتاؤ ناں اصل بات کیا ہے۔" سارا تجسس ہی اس اصل بات کو جاننے کے لیے تھا جو سرے سے تھی ہی نہیں۔ ورنہ غنوی کے اس انتہائی قدم کے پیچھے جو سبب تھا اس سے خاندان بھر ہی واقف تھا۔

"نوشابہ! میں بہت تھکی ہوئی ہوں۔ صبح سے کچھ کھایا بھی نہیں۔ پلیز برا مت ماننا میں فون بند کر رہی ہوں۔" خود پر بہت ضبط کرتے اس نے نوشابہ سے کہا اور فون بند کر دیا۔

☼ ☼ ☼

"پھپھو عباس کی شادی کہیں اور کر رہی ہیں۔" اسریٰ آپی نہایت اطمینان سے خبر دینے پہنچی تھیں۔

"تو کرنے دیں۔" کشن کو ترتیب سے رکھتے اس نے لاپروائی سے جواب دیا۔

"کیا مطلب ہے تمہارا؟ پانچ سال تک تمہیں اپنا پابند رکھنے کے بعد وہ کسی دوسری جگہ اپنے بیٹے کی شادی کر رہی ہیں اور تمہیں پروا ہی نہیں۔" انہیں اس کی بے پروائی بری طرح کھلی تھی۔

"پانچ دن پہلے میں اپنے آپ کو اس پابندی سے آزاد کر چکی ہوں۔" اپنے لہجے کے اطمینان کو برقرار رکھتے ہوئے وہ ان کے برابر میں آ بیٹھی۔

"کیا مطلب ہے تمہارا؟" وہ حیران تھیں۔

"آپ کو جن لوگوں نے عباس کی شادی کی اطلاع دی

خواتین ڈائجسٹ کے شائع کردہ

چار نئے اور خوبصورت

ناول

• دل دریا اور جزیرہ — رفعت سراج — 600 روپے
• وہ شعلہ سی دیوانی سی — امجد جاوید — 400 روپے
• جو چلے تو جاں سے گزر گئے — ماہا ملک — 150 روپے
• ساگر، دریا، بادل، بوند — نبیلہ عزیز — 250 روپے

قیمت میں ہی منی آرڈر یا بینک ڈرافٹ سے بھجوائیں
ڈاک خرچ اور پیکنگ فری
منگوانے کا پتہ
• مکتبہ عمران ڈائجسٹ 37 اردو بازار کراچی
• لاہور ایجنسی 205 سرکلر روڈ لاہور

ہے۔ انہوں نے میری اور اس کی منگنی ٹوٹنے کی خبر نہیں دی۔"

"مجھے یہ اطلاع ناصر نے دی ہے۔ شمس اور وہ ایک ہی انسٹیٹیوٹ سے پی ایچ ڈی کر رہے ہیں۔ کل شمس نے اپنے کلاس فیلوز میں عباس کی انگیجمنٹ کی مٹھائی بانٹی ہے اور چند روز بعد شادی کی دعوت بھی دی ہے۔ ناصر نے گھر آ کر مجھے یہ ساری باتیں بتائیں تو میرا سر گھوم گیا۔ تم جانتی ہو میرے سسرال والوں کو۔ ذرا ذرا سی بات کا بتنگڑ بنا لیتے ہیں۔ کل سے عجیب و غریب باتیں کر کر کے میرا جینا دوبھر کر دیا ہے۔" اسریٰ حد درجہ پریشان تھی۔

"اچھا جب ہی آج انہوں نے صبح صبح آپ کو میکے روانہ کر دیا کہ جاؤ اور ساری تفصیل لے کر آؤ تاکہ وہ لوگ صحیح سے لطف اندوز ہو سکیں۔" نہ چاہتے ہوئے بھی غزنوی کا لہجہ طنزیہ ہو گیا۔

"وہ لوگ جیسے بھی ہیں اور جو بھی ان کی نیت ہو لیکن میں تو اس گھر کی بیٹی ہوں نا مجھے تو یہ حق ملنا چاہیے کہ مجھے اپنے میکے میں ہونے والے اتنے بڑے حادثے کی خبر دی جائے۔ پانچ دن ہو گئے تمہاری منگنی ٹوٹے، پھپھو نے عباس کے لیے لڑکی تلاش کر کے شادی کی ڈیٹ بھی فکس کر دی اور مجھے کچھ معلوم ہی نہیں۔ شادی کیا ہوئی ہے میری، تم لوگوں نے مجھے بالکل غیر ہی بنا ڈالا۔" اب وہ بالکل روہانسی ہو گئی تھی۔

"ایسی بات نہیں ہے آپا! آپ کو معلوم ہے آپ پہلے ہی اتنی مشکلوں اور پریشانیوں میں ہیں اور اس پر سے یہاں کی الجھنیں بھی آپ کو تنگ کرتیں تو کیا اچھا لگتا ہے۔"

اس نے گلے میں ہاتھ ڈال کر بڑی بہن کی دل جوئی کی۔ ویسے وہ شکر ادا کر رہی تھی کہ اس وقت وہ گھر میں تنہا ہے۔ چھوٹی چاروں بہنیں اپنے اسکول اور کالج اور ابا آفس گئے ہوئے تھے۔ اماں بھی سودا سلف لینے مارکیٹ تک گئی تھیں۔ اسریٰ آپا کا دیور انہیں چھوڑنے آیا تو صرف وہی گھر میں تھی اور ان کی صورت دیکھتے ہی وہ سمجھ گئی کہ اتنی ایمرجنسی میں آپا کو میکے بھیجنے کی کیا وجہ ہے۔ ورنہ جب سے شادی ہوئی تھی ابا ہی آپا کو لانے لے جانے کا فریضہ انجام دے رہے تھے۔ یاسر بھائی تو چند ایک بار دعوتوں کی حد تک ہی یہاں آئے تھے۔

"آپا! آپ کو پتا ہے نا کہ پھپھو مہینہ بھر سے ابا کے پیچھے لگی تھیں کہ انہیں اگلے مہینے شادی کی تاریخ دے دی جائے۔" بالآخر اس نے بہن کو تفصیلات بتانا شروع کیں۔

"اور آپ یہ بھی جانتی ہیں کہ ابا اس وقت ایسی پوزیشن میں نہیں ہیں کہ شادی کے اخراجات برداشت کر سکیں۔ جب آپ کی شادی ہو رہی تھی تو ابا نے پھپھو پر کتنا زور دیا کہ وہ بھی آ کر تاریخ لے لیں تاکہ ابا دونوں بیٹیوں کے فرض سے ایک ساتھ سبکدوش ہو جائیں، لیکن اس وقت پھپھو نے ہامی نہیں بھری۔ یہی کہتی رہیں کہ ابھی عباس سیٹ نہیں ہے اور وہ فی الحال شادی نہیں کر سکتیں۔ حالانکہ عباس ٹھیک ٹھاک جاب کر رہا تھا اور پھپھو کے گھر میں بھی ہر طرح کی سہولت موجود ہے۔ لیکن بہرحال ابا نے ان کی معذرت قبول کر لی، لیکن آپ کی شادی کے دو مہینے بعد ہی پھپھو نے ابا سے مطالبہ شروع کر دیا کہ غزنوی کی رخصتی کی تاریخ دے دو۔ ابا اس وقت [illegible] ہم دونوں کی شادی کرتے تو انتظامات ہو سکتے تھے لیکن اب وہ بالکل خالی ہاتھ ہیں۔ خاص طور پر ایسی صورت میں کہ انہیں آپ کی شادی پر ایسے بہت سے اخراجات کرنے پڑے جن کا انہیں پہلے سے کوئی اندازہ ہی نہیں تھا۔ اور پھپھو سب کچھ جانتے بوجھتے ابا کو پریشرائز کر رہی تھیں۔ اس لیے مجھ سے برداشت نہیں ہوا۔ مسلسل ایک مہینے سے چلنے والی بحث اور ٹینشن کو میں نے اپنے فیصلے سے ختم کر دیا۔"

غزنوی کی زبانی تفصیلات سن کر اسریٰ کا سر جھک گیا۔ حالانکہ قصور اس کا نہیں تھا لیکن وہ اپنے میکے والوں کے سامنے خود کو شرمندہ پا رہی تھی۔ یاسر کے گھر والوں نے آخری دنوں میں آ کے بہانے کئی مطالبات پورے کروائے تھے۔ اور رخصتی والے روز یاسر کی طرف سے کی گئی جہیز کی فرمائش کو پورا کرنے میں تو ابا کی رہی سہی جمع پونجی بھی خرچ ہو گئی تھی ایسے میں وہ بہن کا مطالبہ پورا کرتے ہوئے غزنوی کی شادی کی تاریخ دے دیتے تو کم از کم ڈیڑھ دو سال تو لگتے تھے ان جیسے سفید پوش شخص کو انتظامات کرتے میں۔

"تم عباس سے بات کرتیں غزنوی! آخر وہ تمہیں اتنا چاہتا تھا۔ پھپھو کو تمہاری خاطر سمجھا لیتا۔" کچھ دیر بعد سر اٹھاتے اسریٰ نے غزنوی سے کہا۔

"عباس کی چاہت کو جانچ کر ہی اتنا بڑا قدم اٹھایا تھا آپا!" اس کے لہجے میں آزردگی در آئی تھی۔

"کتنی التجا کی تھی اس سے کہ وہ پھپھو کو سمجھائے

لیکن اسے اچانک ہی لگنے لگا تھا کہ اب وہ میرے بغیر نہیں رہ سکتا۔ میں نے اس کے جذبے کی قدر کی اور یہاں تک کہہ گئی کہ اس سے کہا کہ اگر شادی کی ایسی ہی جلدی ہے تو تم بغیر کسی دھوم دھام کے چند لوگوں کے ساتھ آ کر مجھے رخصت کروا کر لے جاؤ، لیکن پتا ہے اس نے کیا کہا۔ اس نے کہا کہ غزنوی! تم بے وقوف ہو۔ اسریٰ اتنا کچھ سمیٹ کر لے گئی ہے اور تم چاہتی ہو کہ میں خالی ہاتھ اٹھا کر لے آؤں۔ ٹھیک ہے میں یاسر جتنا کمینہ نہیں کہ ڈیمانڈز کروں، لیکن پہلی بیٹی کو جو کچھ دے کر انہوں نے روایت قائم کی ہے وہ تو انہیں اب ہر بیٹی کی دفعہ نبھانی پڑے گی۔ اگر ان کے پاس رقم نہیں ہے تو وہ ریٹائرمنٹ لے لیں۔ زیور وغیرہ بیچ دیں اتنا تو ہو ہی جائے گا کہ وہ شادی کے انتظامات کر سکیں۔"

غزنوی کی پلکیں بھیگ رہی تھیں اور اسریٰ دم بخود بیٹھی سب کچھ سن رہی تھی۔ عباس کا یہ کون سا روپ تھا جس سے وہ لوگ بھی ناواقف ہی رہ گئے تھے۔

"عباس سے اپنا رشتہ جڑنے کے بعد پانچ سالوں میں میں نے اسے اتنا نہیں جانا تھا۔ جتنا اس پانچ منٹ کی ٹیلیفونک گفتگو میں جان گئی اور ان پانچ سالوں میں میں نے اس سے اتنی محبت نہیں کی تھی جتنی ان پانچ منٹوں میں میرے دل میں اس کے لیے نفرت پیدا ہو گئی۔ میں نے اس سے کہا کہ عباس! تمہیں جو کچھ کہنا تھا کہہ چکے، اب تم میرے فیصلے کا انتظار کرو۔ اور اس دن جب پھپھو نے یہاں آ کر ابا اور اماں کے سامنے اپنا مطالبہ ایک بار پھر دہرایا تو مجھے فیصلہ سنانے میں کوئی دقت نہیں ہوئی۔ آج ابا اور اماں مجھ سے ناراض ہیں۔ لوگ میرے بارے میں طرح طرح کی باتیں بنا رہے ہیں۔ لیکن میں مطمئن ہوں کہ میں نے ایک صحیح فیصلہ کیا ہے۔ بے شک آپ لوگ مجھے نافرمان کہیں لیکن مجھے فرمانبرداری کا مظاہرہ کر کے ایسی خوشیاں حاصل کرنے سے کوئی دلچسپی نہیں جن کے حصول کے لیے مجھے اپنی چھوٹی بہنوں کی گردنوں پر پاؤں رکھ کر کھڑا ہونا پڑے۔ آپ کے خیال میں اگر عباس کا مشورہ مانتے ہوئے ابا ریٹائرمنٹ لے لیتے تو کیا میں کبھی اپنے آپ کو معاف کر پاتی، چھوٹی چاروں ابھی پڑھ رہی ہیں۔ انہیں گھر والوں کی سپورٹ کی ضرورت ہے۔ ابا اگر بے روزگار ہو جاتے تو یہ سپورٹ کون فراہم کرے گا۔ بلکہ اب میں فیصلہ کر چکی ہوں کہ میں خود جاب کروں گی اور ابا کا سہارا بنوں گی۔" وہ عزم سے بول رہی تھی اسریٰ کو بے ساختہ ہی اپنی بہن پر پیار آ گیا۔

"اللہ تمہاری مدد کرے اور تمہارا حوصلہ ہمیشہ یوں ہی بلند رہے۔ میں تو اپنی بزدلی اور کم ہمتی کے ہاتھوں سدا تم لوگوں کے سامنے شرمندہ ہی رہوں گی۔" اس نے مسلسل غزنوی کو دیکھتے ہوئے آزردگی سے کہا۔

"نہیں آپا! ایسی کوئی بات نہیں۔ آپ کیوں شرمندہ ہوتی ہیں۔ آپ کے ساتھ جو کچھ ہوا اس میں آپ کا کیا قصور۔ آپ نے تو بڑوں کے فیصلے پر سر ہی جھکایا تھا۔ دھوکا تو یاسر بھائی کے گھر والوں نے کیا ہمارے ساتھ اور ہماری بدقسمتی کہ حقائق جان نہیں پائے۔ انہوں نے کہا کہ ہمارا بیٹا کاروباری ہے ہم نے مان لیا۔ انہوں نے یاسر بھائی کو جنرل اسٹور کا مالک بتایا اور ہم انہیں وہاں دیکھ کر واقعی مالک سمجھ بیٹھے۔ پتا ہی نہیں چلا کہ وہ وہاں صرف ایک ملازم ہیں۔ بس ایسے ہی وقت میں بھائی کی کمی کا احساس ہوتا ہے۔ بے چارے ابا اکیلے کیا کرتے۔ عباس سے کہا تھا کہ معلومات کروا لو اس نے کہا 'سب کچھ ٹھیک ہے۔' عباس کی غیر ذمہ داری اور بے حسی کا اندازہ آپ اسی واقعے سے لگا سکتی ہیں۔ اس نے اتنی بے پروائی دکھائی اس معاملے میں کہ سوچا نہیں اس کے اس عمل سے کسی کی پوری زندگی تباہ ہو جائے گی۔ اس کی وجہ سے یاسر بھائی جیسا ایک داماد اس گھر کو مل گیا۔ کل کو وہ خود بھی اس لسٹ میں شامل ہو جاتا تو ابا کے سر سے بوجھ کم ہونے کے بجائے کچھ اور بھی بڑھ جاتا۔"

"اچھا چلو غصہ تھوک دو اور میرے لیے ایک کپ مزے دار سی چائے بنا دو۔ ابھی امی سودا لے کر آتی ہیں تو میں تم لوگوں کے لیے اپنے ہاتھ سے کھانا بناتی ہوں۔"

اسریٰ جانتی تھی کہ اس کے گھر والوں کو اس کے ساتھ ہونے والی ٹریجڈی کا بہت دکھ ہے۔ لیکن وہ کیا کرتی۔ گلے پڑا ڈھول تو اب بجانا ہی تھا۔ مڈل کلاس گھر میں جہاں صرف لڑکیاں ہی لڑکیاں ہوں، بڑی بہن کی شادی کی ناکامی چھوٹی بہنوں کے مستقبل پر بھی اثر انداز ہوتی ہے اور وہ یاسر سے [illegible] کر کے اپنی بہنوں کا مستقبل مخدوش کرنا نہیں چاہتی تھی۔

✿ ✿ ✿

"حمیدہ! اس سے کہو کہ میرے سامنے نہ آیا کرے۔ ایسی نافرمان اولاد کو دیکھ کر میرا خون کھولتا ہے۔" وہ ابا کے

سامنے کھانے کی ٹرے رکھ کر پلٹی تو اس نے اپنے پیچھے انہیں اماں سے کہتے سنا۔

"آپ جانے دیجیے جو ہونا تھا وہ تو ہو چکا۔ وہ تو بچی ہے جذباتی ہو گئی لیکن آپ کی بہن نے تو لمحوں میں رشتے ناتے توڑ ڈالے۔"

وہ خود بھی بے شک بیٹی کے عمل سے ناخوش تھیں۔ لیکن نند سے اس قدر بے مروتی کی بھی امید نہ تھی۔

"ہماری بیٹی کی بیوقوفی پر لوگ مجھ پر افسوس کرتے لیکن میں نے بھی اپنا دل تنگ نہیں کیا۔ سوچتا تھا بچے نادان ہیں۔ دامادوں کی شکل میں بیٹے مل جائیں گے۔ لیکن میری تو قسمت ہی خراب ہے بڑا داماد ہے تو وہ دور، عباس سے امید تھی کہ میرا سہارا بنے گا۔ میرا بھانجا ہے، بیٹوں کی طرح پیارا ہے مجھے، لیکن تمہاری بیٹی کی بدزبانی نے اسے ہمیشہ کے لیے مجھ سے دور کر دیا۔ کبھی خواب میں بھی نہیں سوچا تھا کہ عباس داماد بنے گا اور میں اسے دیکھ بھی نہیں سکوں گا۔"

ابا کہہ رہے تھے اور باہر کھڑی وہ آنسو بہا رہی تھی۔

بے شک اس نے بہت سوچ سمجھ کر عباس سے اپنا رشتہ ختم کیا تھا لیکن اتنا آسان نہیں تھا یہ سب کہ وہ شخص جس کے نام کی انگوٹھی پانچ سال تک اس کی انگلی میں رہی تھی "آج بارات لے کر کسی اور کی دہلیز پر پہنچا ہوا تھا۔ اس پر ماں باپ کی ناراضی ختم ہی نہیں ہو رہی تھی۔ امی نے چاہا بھی کہ ابا کے دل سے غنوی کے لیے غلط فہمی کو دور کر سکیں لیکن ابا اس معاملے میں کچھ سننے کو تیار ہی نہیں تھے۔ ان کی فطرت ہی ایسی تھی جب کسی بات پر ضد میں آ جاتے تو پھر کسی کی نہیں سنتے تھے۔ اب بھی ان کے لیے غنوی کے عمل کے پیچھے موجود اسباب سے زیادہ اہم یہ بات تھی کہ غنوی نے ان کے ہوتے ہوئے خود سے فیصلہ سنا کر ان کی حیثیت کو چیلنج کیا ہے۔ ان کے نزدیک یہ سرکشی تھی جسے وہ کسی صورت معاف کرنے کو راضی نہیں تھے۔

☆ ☆ ☆

"آپی پلیز تھوڑا سا کھا لیں۔ کل سے آپ نے کچھ نہیں کھایا۔ خالی پیٹ دوا کیسے لیں گی۔" عطوبی دلیے کا پیالہ لیے اس کے سامنے بیٹھی تھی۔

"میرا دل نہیں چاہ رہا کچھ بھی کھانے کو۔" بے بسی سے کہتے اس نے بازو آنکھوں پر رکھ لیا۔ دو دن سے اسے شدید بخار نے اپنی لپیٹ میں لے رکھا تھا۔ مسلسل ذہنی دباؤ کا نتیجہ تو سامنے آنا ہی تھا۔

"شاید ماموں آئے ہیں۔" لاؤنج سے سنائی دیتی آوازوں سے عطوبی نے اندازہ لگایا اور کمرے سے نکل گئی۔ البتہ غنوی خود اپنی سابقہ پوزیشن میں ہی لیٹی رہی تھی۔

"ارے بھئی یہ کیا سن رہا ہوں، میری اتنی پیاری بیٹی اور بخار نے گھیر کر بستر پکڑا دیا ہے۔" تھوڑی ہی دیر بعد اسے ماموں کی آواز اپنے قریب سنائی دی۔ تو آنکھوں سے بازو ہٹا کر شرمندہ سی اٹھ کر بیٹھنے کی کوشش کرنے لگی۔

"لیٹی رہو بھئی، ہم نے تو یوں ہی ہوش دلانے کو کہا تھا ورنہ سب بیمار لوگ بیماری میں بستر ہی سنبھالتے ہیں۔" ماموں اس کے سر پر ہاتھ پھیر کر ایک قریبی کرسی پر بیٹھتے ہوئے بولے۔

"لیکن سارے بیمار لوگ اتنا تنگ نہیں کرتے جتنا آپی نے کر رکھا ہے۔ گھنٹہ بھر سے خوشامد کر رہی ہوں کہ کچھ کھا لیں مگر مجال ہے جو یہ اس معصوم بندی کے پُرخلوص جذبے کو شرف قبولیت بخشیں۔ خاص طور پر ان کی خاطر کالج سے چھٹی کی ہے لیکن انہیں کوئی قدر ہی نہیں۔" عطوبی نے جھٹ ماموں سے شکایت کی۔

"تو تم نے آج بھی کی تو دلیے کی۔ ایک تو پہلے ہی بخار میں منہ کا ذائقہ خراب رہتا ہے اس پر سے ایسی بے رنگ بے ذائقہ ڈش۔ ہوتی کوئی بریانی کباب یا چکن تو میری بیٹی قبول بھی کرتی۔ لیکن خیر تم جیسی نکمی لڑکی سے ایسی امید لگانا بھی بے کار ہے۔ لاؤ ہم کھلاتے ہیں اپنے ہاتھ سے اپنی بیٹی کو تمہارے ہاتھ کا دلیہ بھی مزیدار حلیم کا ذائقہ دینے لگے تو ہم نام بدل دینا۔" وہ اپنے ازلی شگفتہ لہجے میں بولے تو عطوبی ان کے ہاتھ میں دلیے کا پیالہ پکڑا کر منہ بسورتی باہر نکل گئی۔ معلوم تھا کہ ماموں اپنی بات پر عمل بھی کروا کر رہیں گے۔

"چلو بھئی منہ کھولو۔" ماموں نے حکم دیا تو غنوی انکار نہیں کر سکی۔

"بس ماموں۔" دو چار چمچوں کے بعد ہی اس نے انہیں روک دیا۔

"چلو تم کہتی ہو تو بس کیے دیتے ہیں۔ لیکن یہ تو بتاؤ کہ یہ اتوائی کھٹوائی لیے کیوں پڑی ہو؟" انہوں نے پیالہ سائیڈ ٹیبل پر رکھ کر اس کی طرف غور سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

غنوی جو پہلے ہی رقیق القلب ہو رہی تھی ان کے سوال پر بلا جواب دیے آنسو بہانے لگی۔

"کتنا فرق ہے اس آنسو بہاتی لڑکی اور اس دن بہادری سے فیصلہ سناتی لڑکی میں۔ میں تمہیں ایسا بزدل تو نہیں سمجھتا تھا۔ بیٹا حق بات کہنے والے تو بڑے حوصلہ مند ہوتے ہیں۔"

"میرے حوصلے کو میرے اپنوں کی بے رخی نے توڑ ڈالا ہے ماموں!" وہ بلک اٹھی۔

"نہ بیٹے یوں اتنی جلدی تمہارا حوصلہ نہیں ٹوٹ سکتا۔ میں جانتا ہوں میری سب بھانجیوں میں سب سے اسٹرانگ ہو تم، بس یہ ہے کہ ابھی چوٹ گہری لگی ہے تو تمہیں اپنے حوصلے کی بلندیوں کو چھونے نہیں آیا۔ لیکن میں جانتا ہوں۔ تم اس فیز سے نکلو گی تو ایک بار پھر حالات کے سامنے سینہ سپر ہو جاؤ گی۔ میں تم سے بس یہ کہنے آیا ہوں کہ اپنے آپ کو اور اپنی صلاحیتوں کو بچانے میں غفلت ہرگز نہیں کرنا۔ یہ جو تمہاری زندگی میں آیا ہے اس سے جلد از جلد نکل آؤ پھر دیکھنا تم کیا کچھ کرنے کی اہلیت رکھتی ہو۔" وہ اسے حوصلے کی تلقین کر کے باہر نکل آئے۔ لاؤنج میں حمیدہ بیٹھی تھیں۔

"نہ جانے کس کی نظر لگ گئی، میری بچی کی خوشیوں کو۔" بھائی کو دیکھتے انہوں نے آزردگی سے کہا اور آنکھیں پونچھنے لگیں۔

"کوئی نظر وظر نہیں لگی۔ اس نے بالکل صحیح وقت پر ایک صحیح فیصلہ کیا ہے اور آپ اور بھائی صاحب بے کار کی ناراضی جتا کر اسے پریشان کر رہے ہیں۔" بہن کے آنسوؤں کو خاطر میں نہ لاتے وہ قدرے خفگی سے بولے۔

"ہاں بھلا! بس ایک تم انقلابی ہو تو دوسری تمہاری بھانجی بھلا اچھی لگتی ہے لڑکی ذات کی یوں کتر کتر چلتی زبان۔" جواباً انہوں نے بھی ناراضی کا اظہار کیا۔

"بات انقلابی ہونے کی نہیں، حق پر ہونے کی ہے۔ رہی لڑکی ذات کے بولنے کی بات تو اگر اس معاملے میں کوئی قباحت ہوتی تو اللہ تعالیٰ عورت کے منہ میں زبان ہی نہ دیتے۔ غنوی کوئی زبان دراز یا بدتہذیب لڑکی نہیں بلکہ بہت سمجھدار اور حساس بچی ہے۔ جسے آپ لوگوں کے رویے نے اس حال کو پہنچایا ہے۔" انہوں نے دوبدو بہن کو جواب دیا۔ پھر ذرا لہجے کو نرم کرتے ہوئے بولے۔

"آپا! جو ہونا تھا وہ ہو چکا۔ بھائی صاحب کو سمجھانا مشکل ہے لیکن آپ ماں ہیں۔ بچی کے دل کا حال سمجھ سکتی ہیں۔ وہ پہلے ہی تکلیف میں ہے کہیں یہ آپ کے رویے اسے بالکل ہی توڑ ہی نہ دیں کہ خدانخواستہ اسے کچھ ہو گیا تو آپ بیٹھی رہیں گی۔" وہ ان پر جذباتی وار کر رہے تھے۔

"خیر کا کلمہ بولو صدیق!" آخر حمیدہ بانو کی ممتا جاگ ہی اٹھی۔

"بس تو پھر طے ہو گیا کہ میں غنوی کو چند دن کے لیے اپنے گھر لے جا رہا ہوں وہاں اپنی ممانی اور چھوٹے بھائیوں کے ساتھ بہل جائے گی۔ پھر میں اسے واپس یہاں چھوڑ جاؤں گا۔ لیکن آپ وعدہ کریں کہ اس کے ساتھ بالکل نارمل طریقے سے پیش آئیں گی۔ اور کوشش کریں کہ بھائی صاحب کا مزاج بھی ٹھنڈا ہو جائے۔" بہن کو نرم پڑتے دیکھ کر انہوں نے اپنا طے کردہ پروگرام سنا ڈالا۔

"ٹھیک ہے لے جاؤ۔ رہی رویہ ٹھیک کرنے کی بات تو اپنی تو میں گارنٹی دے سکتی ہوں، البتہ اس کے باپ کا ذمہ نہیں لے سکتی۔ وہ اپنی مرضی کے بادشاہ ہیں جنہیں سمجھانا کسی کے بس کی بات نہیں۔" انہوں نے صاف جواب دیا۔

"چلیں اتنا بھی بہت ہے غنوی صحت یاب ہو جائے تو میں نے اپنے ایک جاننے والے سے کہا ہے اس کے لیے ایک اخبار کے دفتر میں نوکری کی بات کر رکھی ہے۔ ذہنی مصروفیت ملے گی اور گھر کے ماحول سے نکلے گی تو سب کچھ خود بخود ہی ٹھیک ہو جائے گا۔" صدیق احمد مطمئن اور پُرامید تھے۔

☆ ☆ ☆

صدیق ماموں نے ٹھیک کہا تھا وہ واقعی سنبھل گئی تھی۔ اخبار کے دفتر میں نوکری اتنی مصروف اور ہنگامہ خیز تھی کہ اسے کچھ سوچنے کی مہلت ہی نہ ملتی صرف ابا کی خاموشی تھی جو اس کے لیے بوجھ تھی لیکن صدیق ماموں کی تسلیاں ہی دل کی ڈھارس بنی تھیں۔ انہوں نے کہا تھا۔

"دیکھو بیٹا! تمہارے باپ کے مزاج میں ضد کا عنصر کچھ ضرورت سے زیادہ ہے۔ وہ مانتے نہیں ورنہ جانتے وہ بھی ہیں کہ ان کی بیٹی غلط نہیں۔ لیکن ایسا ہمیشہ نہیں رہے گا وہ ساری زندگی تم سے ناراض نہیں رہ سکتے۔ ایک نہ ایک دن نرم ہو ہی جائیں گے۔ ماں باپ بھی

بھی ساری زندگی کے لیے اپنی لوو سے ناراض نہیں رہ سکتے۔ ابھی بس یہ ہے کہ انہیں ٹھیس لگی ہے۔ لیکن جس دن انہیں یقین آ گیا کہ ان کی بیٹی خود سر نہیں اور نہ ہی ان کے اختیارات کو چیلنج کر رہی ہے تو وہ راضی ہو جائیں گے۔ بس تم ناامید نہیں ہونا۔"

لوو نے عزم سے زندگی کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر جینے کے لیے تیار ہو گئی تھی۔ اپنی اعلا تعلیم، کام کرنے کی اہلیت اور تخلیقی صلاحیتوں کے باعث بہت جلد اس نے خود کو اپنے دفتر میں بھی منوا لیا تھا۔ اس کی تنخواہ کی صورت گھر میں آنے والی اضافی آمدنی اماں کے لیے سکون کا باعث تھی۔ ابھی انہیں اپنی پانچ بیٹیوں کا جہیز جوڑنا تھا۔ چھوٹی بہنیں بھی خوش تھیں کہ اب ان کی معصوم سی بے ضرر خواہشات آپی پوری کیا کرتی تھیں۔

"منفوج اچھا آفس سے واپسی میں ذرا اسریٰ کی خیر لیتی آنا۔ بہت دن ہو گئے اس نے یہاں چکر نہیں لگایا۔ تمہارے ابا کے دفتر میں آج کل کام زیادہ ہے اس لیے ان سے نہیں کہا۔ یوں بھی اس کے سسرال والے دس باتیں سنا کر اسے ان کے ساتھ بھیجتے ہیں۔ بے چارے ٹینشن میں آ جاتے ہیں کہ بیٹی کی زندگی کا فیصلہ صحیح نہیں کر سکے۔ میرا تمہیں معلوم ہے اکیلی ہوں میں، آنے جانے سے گھبراتی ہوں۔" صبح وہ ناشتہ کر رہی تھی تو اماں نے اس سے کہا۔

"اچھا" آپ فکر نہ کریں۔ میں چلی جاؤں گی۔" اماں کو تسلی دے کر وہ بیگ کندھے سے لٹکا کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

"ڈھنگ سے ناشتہ تو کر لیا کرو۔ آفس میں بھی اللہ جانے کچھ کھاتی ہو یا نہیں۔ کام کرتے ہوئے تو تمہیں یوں بھی ہوش کھونے کی عادت ہے۔" اماں اسے یوں اٹھتے دیکھ کر بڑبڑائیں تو وہ ہنس کر خدا حافظ کہتی باہر نکل گئی۔ گھر سے سب سے آخر میں وہی نکلا کرتی تھی جب کہ ابا اور بہنیں صبح صبح چلے جاتے تھے۔

"ذرا کچھ پیسے اکٹھے ہوں تو اسریٰ آپی کے لیے ایک موبائل فون خرید دوں گی۔ کم از کم گھر بیٹھے خیر خبر تو لی جا سکے۔ ان کے سسرال کا تو دستور ہی نرالا ہے۔ گھر میں فون نہیں لگاتے۔ سب نے اپنے اپنے موبائل رکھے ہوئے ہیں۔ ایک بس بے چاری آپی ہی خوار ہے۔" آفس میں اپنے کام نمٹاتے بھی اس کے ذہن پر اسریٰ آپی ہی سوار تھیں۔

"ضیاء آج مجھے جلدی جانا ہے۔ پلیز تم یہ صائمہ خان کے انٹرویو کو فائنل کر دینا۔ سب کام میں نے کر لیے ہیں۔ فوٹو گرافس آ جائیں تو ان میں سے دو چار اچھے پوز سلیکٹ کر کے ساتھ میں لگا دینا۔" اپنی دراز سے چیزیں سمیٹ کر بیگ میں ڈالتے اس نے ضیاء سے ملتجی لہجے میں کہا۔

"آپ کے اس عاجزی بھرے لہجے پر تو کوئی پتھر دل ہو وہ بھی انکار نہ کرے۔ میں یہ ذرا سا کام کرنے سے کیسے منع کر سکتا ہوں۔" ضیاء کا بات کرنے کا اپنا ہی ڈھنگ تھا۔

"بکواس مت کرو۔" وہ جھینپ گئی۔

"ضیاء کو بکواس کرنے کے سوا آتا ہی کیا ہے۔" سامنے بیٹھی میرا نے لقمہ دیا۔

"جی واقعی کم از کم مجھے میرا جیسا میک اپ کرنا تو ہرگز نہیں آتا۔" ضیاء کب چوکنے والا تھا۔ میرا کے جتانے پر اس نے میک اپ کو نشانہ بنایا۔

"تم سچ مچ بہت بکواس کرتے ہو ضیاء۔" منفوج ہنس پڑی۔

"منفوج ذرا رکو، اپنے سے کچھ پھل وغیرہ تو لے لو۔ میں بھی بس آ رہی ہوں۔ تم رکشہ روک لینا۔" دفتر میں اوپر کے کاموں پر مامور لڑکے کو پیسے پکڑاتے اس نے ہدایت دی۔

"خیریت کہیں ہاسپٹل وغیرہ جا رہی ہو۔" میرا نے اندازہ لگایا۔

"نہیں بس یہیں آپی کے گھر تک جانا ہے۔ خالی ہاتھ جانا اچھا نہیں لگتا۔ اس لیے سوچا پھل ہی لے جاؤں۔" اس نے سامان سمیٹتے وضاحت دی۔

"اگر آپ کہیں تو میں ڈراپ کر دوں۔ صرف دس منٹ لگیں گے۔" ضیاء نے پیش کش کی۔

"اور میری آپی کی ساس کو مرے کم بھی دس دن لگیں گے یہ بات جاننے میں کہ میں کسی لڑکے کے ساتھ ان کے گھر آئی تھی۔" زیر لب بڑبڑاتے اس نے ضیاء کی آفر کو مسکرا کر رد کیا اور سامان سمیٹ کر آفس سے نکل گئی۔

"ارے تم یہاں کیسے؟ اکیلی آئی ہو۔" آپی کے گھر پہنچی تو وہ اسے دیکھ کر حیران رہ گئیں۔

"جب آپ مہینہ مہینہ بھر اپنی خیر نہیں دیں گی تو آنا ہی پڑے گا۔" پھلوں کے تھیلے انہیں تھماتے اس نے پیار سے شکوہ کیا۔

"ہاں بس فرصت ہی نہیں ملتی۔" ایک ہاتھ سے اپنے بکھرے بالوں کو سمیٹنے کی کوشش کرتے وہ اذیت سے مسکرائیں۔

"یہ تو مجھے بھی دکھائی دے رہا ہے۔" وہ ابھی تک بس

کے ساتھ صحن میں ہی کھڑی تھی۔ جہاں ایک طرف لگی واشنگ مشین اور رسیوں پر سوکھنے کے لیے ڈالے گئے ڈھیروں کپڑے اسریٰ کی مصروفیت کی پوری داستان سنا رہے تھے۔ غنویٰ کو دکھ ہونے لگا۔ دھان پان سی اسریٰ جو تخلیق کے مراحل طے کرتی پہلے سے بھی کہیں کمزور ہو گئی تھی بے پناہ بوجھ تلے دبی ہوئی تھی۔

"کافی شام ہو چکی ہے۔ اتنی دیر سے دھلائی کا کام کیوں شروع کیا؟ آپ کو احتیاط کرنا چاہیے۔ خدا نخواستہ ٹھنڈ لگ گئی تو کیا کریں گی۔"

"یہی بات تو میں بھی اس سے کہتی ہوں لیکن بہو بیگم کو اپنی ہی چلانے کی عادت ہے۔ جانے کیسی تربیت لے کر آئی ہیں میکے سے۔ جو کسی کام کا ڈھنگ ہی نہیں۔" اس سے قبل کہ اسریٰ کوئی جواب دیتی اس کی ساس وہاں چلی آئیں۔

"السلام علیکم آنٹی! کیا حال ہیں؟" رشتہ ایسا تھا کہ غنویٰ کو لبوں پر جبر کر کے خوش اخلاقی برتنا پڑی۔

"حال کیا ہونا ہے۔ پڑے ہیں تمہاری بہن کے رحم و کرم پر۔ منہ اندھیرا اتر رہا ہے۔ دیکھو ابھی تک شام کی چائے نہیں ملی۔" انہوں نے چہرے پر مصنوعی مظلومیت طاری کرنا چاہی۔ جانے بغیر کہ اس کوشش میں ان کی شکل کافی مضحکہ خیز لگ رہی تھی۔

"امی میں نے چائے بنالی تھی۔ آپ کو دینے آئی تو دیکھا آپ سو رہی ہیں۔ میں نے ڈسٹرب نہیں کیا۔" اسریٰ نے گھبرا کر وضاحت دی۔

"کمرے میں وہ سر میں درد تھا اس لیے آنکھیں بند کر کے لیٹی تھی۔ تم نے سر شام سونے کا الزام لگا دیا۔ تاکہ بہن کو بتا سکو کہ ایک اکیلی تم کام میں جتی رہتی ہو اور ہم پلنگ توڑتے ہیں۔" اسریٰ آپی کی ساس کو پر کا کوا بنانا خوب آتا تھا۔

"آپی اکرام اندر اپنے کمرے ہی میں لے چلیں۔ کیا یہیں صحن میں ہی کھڑا رکھیں گی۔" غنویٰ نے انہیں نظر انداز کر کے گم صم کھڑی بہن کو مخاطب کیا۔

"ہاں ہاں لے جاؤ اندر۔ بے چاری مظلوم کی طرح ان کے ساتھ ماری ماری پھرتی ہے۔ تھک گئی ہو گی۔" اسریٰ آپی کی ساس کی ہمدردی بھی طنز میں لپٹی ہوئی تھی۔ لیکن اس نے سنی ان سنی کر دی۔

"کیا حال کر رکھا ہے آپ نے اپنا۔ بجائے بہو کے اس گھر کی نوکرانی لگ رہی ہیں آپ۔" کمرے میں پہنچ کر اس نے بہن کو گھرکا۔

"جس عورت کا میاں کمانے والا نہ ہو۔ اس کی حیثیت سسرالیوں میں نوکرانیوں کی سی ہوتی ہے۔" اسریٰ نے آزردگی سے کہا۔

"کیوں ابھی ڈیڑھ مہینہ پہلے ہی تو نئی جگہ نوکری کی تھی یاسر بھائی نے۔ کیا اسے بھی چھوڑ دیا۔"

"وہ کسی جگہ ٹکتے ہی کہاں ہیں۔ جب سے شادی ہوئی ہے، یہی دیکھ رہی ہوں۔ ذرا سا مسئلہ ہوا کچھ کہہ دیں تو دوسرے دن واپس نوکری پر ہی نہیں جاتے۔ ساس صاحبہ مجھے طعنے دیتی ہیں۔ مفت کی روٹیاں توڑنے پر۔" اس کے پوچھنے پر اسریٰ نے بتایا تو وہ مارے دکھ کے کچھ کہہ ہی نہیں سکی۔ اس کی بھولی بھالی معصوم سی بہن مشکل میں پل رہی تھی۔

"اس وقت کہاں ہیں یاسر بھائی؟" کچھ دیر ٹھہر کر اس نے پوچھا۔

"بیٹھے ہوں گے اپنے دوستوں کی محفل میں۔ گھر تو بس سونے اور کھانے کے لیے ہی آتے ہیں۔" اسریٰ کے جواب نے اسے ایک بار پھر گنگ کر دیا تھا۔

"اچھا اب میں چلتی ہوں۔ زیادہ دیر ہو گئی تو اماں پریشان ہوں گی۔" اسے کچھ کہنے کے لیے کچھ بچا ہی نہ ہو، سو گھبرا کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

"ایسے کیسے جاؤ گی۔ تم نے تو کچھ کھایا پیا بھی نہیں۔" اسریٰ نے اسے روکنے کی کوشش کی۔

"نہیں۔ فی الحال کسی چیز کی خواہش نہیں ہے۔ آفس سے کھا پی کر نکلی تھی۔" پھیکی سی مسکراہٹ چہرے پر سجا کر اس نے بہن کو تسلی دی۔

"غنویٰ! گھر میں کسی کو میرے بارے میں مت بتانا۔ وہ لوگ پریشان ہوں گے۔" اسریٰ نے اسے پکار کر پیچھے سے کہا تو وہ صرف سر ہلا کر رہ گئی۔ کیا کہتی کہ پریشان تو وہ لوگ اس کے لیے پہلے ہی رہتے تھے۔ لاکھ چھپانے کی کوشش کرتی اسریٰ لیکن اس کے حالات اتنے واضح طور پر خراب تھے کہ پردہ پوشی کا بھرم بھی قائم نہیں رہتا تھا۔

☆ ☆ ☆

"غنویٰ! مرتضیٰ احمد کے ولیمہ میں چلو گی۔" سمیرا نے کام کرتے کرتے سر اٹھا کر پوچھا۔

"چھوڑو یار! کیا کروں گی جا کر۔ مجھے ایسے فنکشنز میں

بہت بوریت ہوتی ہے۔"

"بے وقوف! یہ کوئی عام ولیمہ نہیں۔ چیف ایڈیٹر کے بیٹے کا ولیمہ ہے۔ رہی بوریت کی بات تو سوال ہی نہیں پیدا ہوتا کہ وہاں بوریت ہو۔ ایسی ایسی شخصیات نظر آئیں گی کہ انہیں دیکھنے میں وقت کے گزرنے کا احساس بھی نہیں ہوگا۔" سنجیدگی سے اسے ولیمہ کی اہمیت کا احساس دلاتے سمیرا آخر میں شرارت سے آنکھ دباتے ہوئے بولی۔

"لیکن میرے لیے ذرا مسئلہ ہے۔ ساتھ جانے والا کوئی نہیں ہوگا۔ ابا کو پریشان کرنا مجھے اچھا نہیں لگتا اور لیٹ نائٹ اکیلے جانا ممکن نہیں۔" سمیرا کی شرارت کو خاطر میں لائے بغیر وہ اپنی الجھن میں پھنسی تھی۔

"اوہو یہ بھی کوئی مسئلہ ہے۔ میرا بھائی جائے گا میرے ساتھ۔ میں تمہیں پک اینڈ ڈراپ دے دوں گی۔" سمیرا نے گویا چٹکی بجاتے مسئلہ کا حل پیش کیا تھا۔ غنویٰ کے لیے کسی بہانے کی گنجائش نہیں رہی تھی۔ اس نے بے دلی سے ہامی بھر لی۔ اصل میں تو اس کا ذہن اسریٰ میں الجھا ہوا تھا۔ اس روز جب وہ اس کے گھر گئی تھی اس کے بعد صرف ایک بار وہ دن کے لیے رہنے آئی تھی اور اب دو مہینے سے پھر کوئی خبر نہیں تھی۔ غنویٰ کی طرف سے موبائل سیٹ کی آفر اس نے یہ کہہ کر رد کر دی تھی کہ

"رہنے دو میں افورڈ نہیں کر سکتی۔ فضول میں میری ساس صاحبہ کو بھی تشویش رہے گی کہ میں جانے کس کس سے اور کیا کیا باتیں کرتی ہوں۔"

اسریٰ بہت سگھڑ تھی لیکن اب جس حالت میں تھی بہت زیادہ بوجھ اس کے لیے نقصان دہ بھی ہو سکتا تھا۔ آج اماں ابا اسریٰ کے گھر اسی ارادے سے جانے والے تھے کہ اسے اپنے ساتھ لے آئیں۔ تاکہ وہ یہاں کے دن کچھ آرام سے گزار سکے۔ غنویٰ صبح گھر سے آنے کے بعد سے اسی فکر میں مبتلا تھی کہ جانے وہ لوگ اسریٰ آپی کو آنے دیں گے بھی یا نہیں۔ اسی الجھن کے ساتھ وہ گھر واپس پہنچی تو نوشابہ کو گھر میں دیکھ کر کوفت کچھ اور بڑھ گئی۔

"اتنی دیر سے آئی ہو آفس سے۔ میں تو انتظار کرتے کرتے تھک گئی۔ سوچا تھا تم سے ڈھیر ساری باتیں کروں گی لیکن اب تو وقت ہی زیادہ نہیں رہا۔ ابا تھوڑی دیر میں آتے ہوں گے مجھے لینے۔" نوشابہ حسب عادت اسے دیکھتے ہی شروع ہو گئی تھی۔

"چچا تمہیں چھوڑ کر خود کہاں چلے گئے؟" اس کے سوالوں کا جواب دینے کے بجائے غنویٰ نے اس سے پوچھا۔

"ابا تو گئے ہیں "ان" کے گھر۔ کوئی ضروری کام تھا۔" ان اور ضروری کام پر زور ڈالتے اس نے شرمانے کی کوشش کی۔

"بڑی اور کھنا گزرا' سونیا نے اگر چائے بنائی ہو تو ایک کپ میرے لیے لاؤ۔ نوشابہ اتم ہوئی اور چائے۔" ہوم ورک کرتی چھوٹی سے کہتے اس نے نوشابہ سے اخلاقاً پوچھا۔ ورنہ وہ دیکھ چکی تھی کہ نوشابہ نے ابھی ابھی چائے کا کپ خالی کر کے ٹیبل پر رکھا ہے۔

"نہیں بھئی۔ میں نے تو ایک کپ بھی مجبوراً ہی پیا ہے ورنہ آج کل تو زیادہ تر جوس وغیرہ ہی لیتی ہوں۔ اصل میں زیادہ چائے پینے سے رنگ خراب ہونے کا ڈر ہے اور "ان" کا تو تمہیں پتا ہے" انہوں نے مجھ سے رشتہ کیا ہی میری گوری رنگت کی وجہ سے ہے۔" نوشابہ نے بڑی ادا سے جواب دیا۔ تو آٹھویں کلاس کی اسٹوڈنٹ بڑی منہ بناتے ہوئے وہاں سے ہٹ گئی۔

"نوشابہ جانے کیسے اتنی فضول گفتگو کر لیتی ہے۔ بچے تک سننا پسند نہیں کرتے۔" غنویٰ نے کوفت سے سوچا۔

"پتا ہے غنویٰ کل پھپھو آئی تھیں ہماری طرف۔ بڑی پریشانیاں کر رہی تھیں اپنی بہو کی۔ کوئی کام کاج نہیں کرتی۔ سارا سارا دن کمرے میں بند رہتی ہے۔ گھر والوں سے سیدھے منہ بات نہیں کرتی۔ اور تو اور عباس بھائی کو بھی کانوں کان پتا کر رکھا ہے۔ وہ سارا وقت بیوی کی ناز برداری میں لگے رہتے ہیں۔ مگر سچی صاف بات ہے میں تو کہتی ہوں کہ جلد بازی کی پھپھو نے کچھ دیکھا بھالا نہیں صرف ضد میں شادی کر دی۔ ویسے بھی انہیں تمہاری تو فکر لگی تھی۔"

بڑی کے جاتے ہی نوشابہ نے اسے اطلاعات پہنچانے اور ساتھ ساتھ ہمدردی جتانے کا فریضہ انجام دیا۔

"پھپھو کے گھر کیا ہو رہا ہے کیا نہیں۔ مجھے اس سے کوئی غرض نہیں۔ لیکن میں تمہیں ضرور بتا دوں کہ اس کے پیچھے میری کوئی آہ وغیرہ نہیں کہ جو ہوا میری مرضی سے ہوا اور مجھے اس پر کوئی افسوس بھی نہیں ہے۔"

"مجھے پتا ہے تم یہ صرف اوپری دل سے کہہ رہی ہو۔"

ورنہ دکھ تو تمہیں ہوا ہے۔" فنوی کے جواب کو خاطر میں لائے بغیر نوشابہ نے بڑی دل سوزی سے کہا اور فنوی کا دل چاہا کہ اپنا سر پیٹ لے مگر عافیت چپ رہنے میں تھی۔

"میرے خیال میں ابا آگئے ہیں۔" ڈور بیل کی آواز پر نوشابہ نے اندازہ لگایا تو فنوی دروازہ کھولنے اٹھ کھڑی ہوئی۔

"السلام علیکم چچا!" نوشابہ کے اندازے کے مطابق دروازے پر چچا ہی تھے۔ وہ انہیں سلام کرتے ہوئے اندر لے آئی۔

"چلو بھئی نوشابہ! اٹھو، ہو جاؤ جلدی سے۔ کافی دیر ہو گئی ہے۔" انہوں نے آتے ہی بیٹی کو ہدایت دی۔

"بیٹھئے نا چچا! رات کے کھانے کا وقت ہونے والا ہے۔ اماں ابا بھی ہو سکتا ہے تب تک واپس آجائیں۔" طوبیٰ جو چچا کی آواز سن کر وہاں آگئی تھی بولی۔

"نہیں بھئی۔ ابھی دیر رکنے کا وقت نہیں ہے میرے پاس۔ واپس جا کر دوکان کا حساب کتاب بھی دیکھنا ہے۔" چچا نے انکار کرتے ہوئے نوشابہ کو اٹھنے کا اشارہ کیا۔ اور ان لوگوں کے روکتے روکتے بھی نکل کر چلے گئے۔

"چچا بھی عجیب ہیں۔ ہوا کے گھوڑے پر سوار آئے بھی اور چلے بھی گئے کم از کم اماں ابا کے آنے تک ہی رک جاتے۔ میں نے بتایا بھی تھا کہ وہ لوگ اسریٰ آپی کو لینے گئے ہوئے ہیں لیکن یہ تک نہیں پوچھا کہ آپی خیریت سے ہیں یا نہیں۔" ان کے جانے کے بعد طوبیٰ نے تبصرہ کیا۔

"چچا کی عادت کا پتا تو ہے تمہیں۔ بے کار میں اپنی جان جلا رہی ہو۔" فنوی نے اسے سمجھایا۔

"ویسے طوبیٰ کہہ بالکل صحیح رہی ہے۔ چچا کچھ عجیب سی ہیں۔ نہ کسی کے برے میں نہ اچھے میں۔ کسی کے اوپر چاہے بڑی مصیبت ٹوٹ پڑے چچا غیر جانب دار بنے ایک طرف کھڑے رہیں گے۔ خوشی کی بات ہو تو بھی چپ۔" سونیا جو دونیاں بکا کر کچن سے نکلی تھی پیچھے کے نیچے آکر بیٹھتے ہوئے بولی۔

"چچا کے اس رویے کو غیر جانب داری کا نام دینا غلط ہوگا ہے۔ جس کا مجھے نہیں معلوم مگر یہ ضرور جانتی ہوں کہ ان کے ہونے کے باوجود ابا کو بھی بھائی کے ہونے کا احساس نہ ہو سکا۔ حالانکہ ابا ان سے انتہا پیار کرتے ہیں لیکن وہ ابا سے بھی لیے دیے ہی ملتے ہیں۔"

"اچھا بس اب چپ ہو جاؤ۔ بیل بج رہی ہے میرے خیال میں اماں ابا آگئے۔" فنوی نے بہنوں کو چپ کرایا جبکہ طوبیٰ اس دوران دروازہ کھولنے جا چکی تھی۔

"آپی آگئی ہیں۔" باہر سے ہی طوبیٰ کے ہونے کی آواز آئی تو وہ سب بھی خوش ہو گئیں۔ صبح سے ہی ان سب کو اسریٰ کا انتظار تھا۔

"آپی اب آپ بہت سارے دن یہاں رہیں گی نا۔" طوبیٰ چھوٹی ہونے کے باعث اسریٰ کی خصوصی توجہ کا مرکز رہی تھی۔ اس لیے اس کی آمد پر سب سے زیادہ خوش بھی وہی تھی۔

"تنگ مت کرو بہن کو۔ جاؤ میرے لیے ایک گلاس ٹھنڈا پانی لے کر آؤ۔ اور طوبیٰ! تم اسریٰ کا سامان اندر رکھ دو۔ جاؤ اسریٰ! تم بھی منہ ہاتھ دھو کر آؤ پھر آرام سے سب کے ساتھ بیٹھ کر کھانا کھانا۔" اماں نے ایک صوفے پر بیٹھتے ہوئے گھر کے ساتھ ساتھ طوبیٰ اور اسریٰ کو بھی ہدایات دیں۔ فنوی نے ایک نظر ان کے ستے ہوئے چہرے پر ڈالی۔ اسریٰ کی آنکھیں بھی اسے روئی روئی سی لگی تھیں اور ابا تو لاؤنج میں ٹھہرے بغیر سیدھے اپنے کمرے میں چلے گئے تھے۔

"میں کھانا لگاتی ہوں۔" سونیا کو بھی اماں کا موڈ ٹھیک نہیں لگا تھا سو وہ ان کے کہے بغیر خود ہی کھانا لگانے چلی گئی۔

"کیا ہوا اماں خیر تو ہے؟ آپ پریشان لگ رہی ہیں۔" فنوی نے اماں کے نزدیک بیٹھتے ہوئے پوچھا۔

"پریشان تو جس دن سے بچی بیاہی ہے مستقل ہی رہتے ہیں۔ اس کے سسرال والوں کی کل کل سن کر دل مزید خراب ہو جاتا ہے۔ دیکھوں تو انہیں اسریٰ سے شکوے ہیں۔ حالانکہ اس حال میں بھی میری بچی سارا سارا دن گھر کے کاموں میں جتی رہتی ہے۔ لیکن ان لوگوں کو نہ اس کی قدر ہے اور نہ اس کا خیال۔ اب بھی چھوٹے بیٹے کی شادی کی ذمہ داری کے لیے بیٹھی ہیں اسریٰ کی ساس۔ یہ تک نہیں سوچا کہ بہو بیچاری شریک بھی ہو سکے گی یا نہیں۔ اس پر سے ہمارے والد صاحب کے فرمائشی پروگرام۔ اسریٰ سے کہا ہے اپنے جہیز کا سیٹ منہ دکھائی میں ناصری دلہن کو دے دینا۔ خود کچھ کماتے دھماتے نہیں۔ لے کر میری بچی کی ہر چیز اجاڑ کر رکھ دی۔"

اماں بہت دل گرفتہ تھیں۔ فنوی انہیں تسلی تک نہ دے سکی۔

☆ ☆ ☆

"وہ دیکھو ضیاء اور حامد صاحب نظر آرہے ہیں۔ چلو ہم بھی وہیں چلتے ہیں۔" سمیرا لان میں داخل ہوتے ہی سمیرا نے اپنی نظریں دوڑا کر ڈھونڈ نکالا اور فنوی کا ہاتھ تھامے ان لوگوں کی طرف بڑھ گئی۔

"السلام علیکم! کہیں ہم لوگ لیٹ تو نہیں ہو گئے۔"

"نہیں بالکل نہیں۔ ابھی کھانا اسٹارٹ ہونے میں ٹائم لگے گا۔" سمیرا کے سوال کا جواب ضیاء نے حسب عادت ایسا دیا تھا کہ وہ چپ ہو جائے۔

"تمہیں ایسی کوئی فکر نہیں۔ جنہیں ایسی فکر ہوتی ہے وہ تمہاری طرح سر شام آکر موقعوں میں ڈیرا ڈال لیتے ہیں۔" سمیرا نے جل کر جواب دیا۔

"اسی لیے تو ہم اس لیے جلدی پہنچ جاتے ہیں کہ ہمیں لوگوں کی طرح چہرے کی ڈینٹنگ پینٹنگ نہیں کرنا ہوتی۔ ماشاء اللہ سے شکل ہی ایسی ہے کہ صرف منہ دھو کر بھی نہیں پہنچ جائیں تو چودھویں کے چاند کی طرح چمکتے دکھائی دیتے ہیں۔" وہ بولا۔

"اچھا بس کرو ورنہ تم لوگوں کی نوک جھونک میں ہی سارا وقت گزر جائے گا۔" حامد صاحب نے ضیاء کو ٹوکتے ہوئے تعارف کی رسم انجام دینی شروع کی۔

"یہ ضیاء کی امی اور چھوٹی بہن ہیں۔ اور یہ میری بیگم اور وہ جو پھولوں کے گملوں کے گرد تتلیوں کی طرح منڈلاتی پھر رہی ہے میری بھتیجی اور اب تک کی اکلوتی بیٹی ہے۔"

"باقی لوگ نظر نہیں آرہے کیا ابھی تک نہیں پہنچے۔" سب سے ہاتھ ملا کر ان لوگوں نے رسمی کلمات ادا کیے اور پھر چیئرز سنبھال کر بیٹھتے فنوی کو خیال آیا تو اس نے پوچھا۔

"کافی لوگ آگئے ہیں۔ ادھر ادھر سب سے ملتے پھر رہے ہیں۔ بابر اور کاشف کا تو تمہیں پتا ہے کہ تقریب کی کوریج ان ہی کی ذمہ داری ہے سو وہ دونوں تو ہم سے بھی پہلے کے پہنچے ہوئے ہیں۔ باقی لوگ بھی بس پہنچتے ہی ہوں گے۔" حامد صاحب نے اطلاع بہم پہنچائی تو وہ صرف سر ہلا کر رہ گئی۔ وسیع و عریض لان میں اس وقت بلا مبالغہ ہزاروں لوگ موجود تھے ایسے میں کسی کا کسی کو ڈھونڈ نکالنا کمال ہی تھا اور ایسا کمال سمیرا تو دکھا سکتی تھی فنوی تصور بھی نہیں کر سکتی تھی۔

"چلیں حامد بھائی! ہم بھی چل کر لوگوں سے ملتے ہیں۔ ورنہ سمیرا اور ربطہ سے کرنا اور نرگس تک سب سے اکیلے نعمان صدیقی ہی ملاقاتیں کرتا رہے گا۔ کچھ ہم بھی اس کارِ ثواب میں حصہ لے لیں۔ اگر آپ لوگ چاہیں تو آپ بھی کسی تیرو پر طبع آزمائی کر سکتی ہیں۔"

"نہیں بھئی۔ آپ ہی کافی ہیں ایسے کاموں کے لیے۔ ہم یہاں سکون سے بیٹھے ہیں۔" فنوی نے ضیاء کی پیش کش پر ہنستے ہوئے انکار کیا تو وہ دونوں بھی مسکرا کر وہاں سے چلے گئے۔

"بہت شریر ہے ضیاء۔ تم لوگ برا مت ماننا۔" ضیاء کی امی نے اس کے جانے کے بعد ان لوگوں سے کہا۔

"ارے نہیں آنٹی! ہم لوگ ضیاء کی نیچر بہت اچھی طرح جانتے ہیں۔ بہت نائس لڑکا ہے۔ ہنستے ہنساتے بہت سے کام نمٹا دیتا ہے اور پتا بھی نہیں چلتا۔ اسی کی وجہ سے تو آفس کا ماحول خوشگوار رہتا ہے۔" یہ سمیرا تھی جس کی ضیاء سے ہر دم ٹھنی رہتی تھی مگر اس وقت کھلے دل سے اس کی خوبیوں کا اعتراف کر رہی تھی۔

"میرے حامد بھی اکثر ضیاء کی تعریف کرتے ہیں۔" مسز حامد نے گفتگو میں حصہ لیا۔

"اور تم کیا کرتی ہو عرشی بیٹا؟ ابھی تو پڑھ رہی ہو گی۔" بڑی دیر سے چپ چاپ بیٹھی مسکرا رہی تھی ضیاء کی بہن کو مخاطب کرتے فنوی نے پوچھا۔

"میں سیکنڈ ایئر میں پری میڈیکل کی اسٹوڈنٹ ہوں۔" اس نے بتایا۔

"میری بھی ایک بہن سیکنڈ ایئر پری میڈیکل میں ہے۔ لیکن اسے ڈاکٹر بننے کا شوق نہیں۔ وہ انٹر کے بعد بی فارمیسی میں ایڈمیشن لینے کا ارادہ رکھتی ہے۔"

"مگر مجھے تو جنون ہے ڈاکٹر بننے کا۔ اگر میرا میڈیکل میں ایڈمیشن نہیں ہوا تو میں تو آگے کچھ بھی نہیں پڑھ سکوں گی۔" فنوی کے بتانے پر عرشی نے جوش سے کہا۔

"ان شاء اللہ تمہارا میڈیکل میں ایڈمیشن ہو جائے گا لیکن تم نے یہ جو کہا کہ اگر میرا میڈیکل میں ایڈمیشن نہیں ہوا تو میں کچھ بھی نہیں پڑھ سکوں گی یہ غلط بات ہے۔ انسان کو ہر طرح کے حالات کے لیے تیار رہنا چاہیے۔ بے شک زندگی میں اپنا ٹارگٹ طے کرو اور اسے حاصل کرنے کے لیے پوری جدوجہد بھی کرو۔ لیکن ناکام ہو کر سرے سے میدان ہی چھوڑ دینا تو سراسر بے وقوفی ہے۔ اگر تم ڈاکٹر نہ بن سکیں خدانخواستہ تو کیا کبھی کچھ بھی نہ بن سکو گی۔ جو لوگ سوسائٹی میں رہ کر اپنا رول پلے نہ کریں اور عضوِ معطل کی طرح پڑے رہیں ان کو نہ تو معاشرہ پسند کرتا

بے شک اللہ کے نزدیک تو جدوجہد کرنے والے لوگ ہی پسندیدہ ہوتے ہیں۔" وہ عرشی کو سمجھانے لگی۔

"ماشاء اللہ بہت سلجھی ہوئی اور مثبت سوچ ہے تمہاری' کچھ اپنے گھر والوں کے بارے میں بتاؤ۔" ضیاء کی امی کی دلچسپی کچھ مزید اس میں بہت بڑھ گئی۔

"جی ہم چھ بہنیں ہیں۔ ابا گورنمنٹ ملازم ہیں اور اماں مکمل طور پر گھریلو خاتون' بڑی بہن کی شادی ہو گئی ہے۔ مجھ سے چھوٹی بہن بی اے فائنل ایئر میں پڑھتی ہے۔ اس سے چھوٹی سیکنڈ ایئر میں' پانچویں نمبر والی میٹرک میں اور سب سے چھوٹی 8th کلاس میں ہے۔" سمیرا اور مسز حامد کے چہروں پر پھیلی معنی خیز مسکراہٹ سے نظر چرائے وہ ان کے سوالوں کے جواب دے رہی تھی۔ کھانا کھانے کے دوران بھی وہ ان کی توجہ کا مرکز رہی۔

"چلو بھئی کشاف کا دولہا بس اور چیف ایڈیٹر صاحب کے ساتھ گروپ فوٹو بن رہا ہے۔ تم دونوں بھی وہاں اپنا چہرہ کرواؤ' مکھڑ منہ رہے۔" حامد صاحب کے بلاوے پر اس کی گلوخلاصی ہوئی تھی۔

"سمیرا! تمہارا بھائی کب تک آئے گا ہمیں لینے۔ تمہیں پتا ہے اسریٰ آپی کی طبیعت ٹھیک نہیں۔ اماں کو کسی بھی وقت ان کے ساتھ ہاسپٹل جانا پڑ سکتا ہے۔ ایسے میں میرا گھر پر چھوٹی بہنوں کے ساتھ رہنا ضروری ہے۔" وہ لوگ تصویر کھنچوا کر اور ضروری ملاقاتیں کر کے فارغ بھی ہو گئے لیکن سمیرا کے بھائی کا کہیں پتا نہیں تھا۔

"تو تم ہمارے ساتھ چلو' ہم تمہیں ڈراپ کر دیں گے۔" ضیاء کی امی نے پیش کش کی۔

"ہاں یہ ٹھیک ہے' سمیرا! تم بھی بھائی کو کال کر کے آنے سے منع کر دو' تمہیں ہم لوگ ڈراپ کر دیں گے۔" حامد صاحب نے کہا' سمیرا نے جھٹ ہامی بھر لی' چار و ناچار عنوی کو ضیاء کی امی کی آفر قبول کرنا پڑی۔

"ذرا احتیاط سے' کہیں ایسا نہ ہو کہ محترمہ تمہیں تمہارے گھر پہنچانے کے بجائے سیدھی اپنے گھر لے جائیں۔ دل آ گیا ہے ان کا تم پر۔" ضیاء کی گاڑی میں اس کے بیٹھتے ہوئے سمیرا نے اس کے کان میں سرگوشی کی۔

"تم فکر نہ کرو' میرے دل و دماغ دونوں ٹھکانے پر ہیں' اس لیے کسی گڑبڑ کی گنجائش نہیں۔" وہ نہایت سنجیدگی سے جواب دیتی ضیاء کی امی کے ساتھ پچھلی سیٹ پر بیٹھ گئی۔

○ ○ ○

"ہاشمی صاحب نے تو لگتا ہے' شہر کی کوئی شخصیت نہیں چھوڑی تھی۔" ابھی کچھ دیر پہلے بار تصویروں کا لفافہ دے کر گیا تھا۔ ڈھیروں ڈھیر تصویروں میں بے شمار مشہور و معروف شخصیات کو دیکھتے سمیرا نے تبصرہ کیا۔

"ظاہر ہے یار! ان کے اکلوتے بیٹے کا ولیمہ تھا' پھر ظاہر ہے ان کے تعلقات بھی بے حد وسیع ہیں۔ یہاں کسی سینئر رپورٹر' کھلاڑی یا اداکار کی شادی ہو تو رش شروع ہو جاتا ہے تو پھر ہاشمی صاحب کی تو بات ہی الگ ہے۔" عنوی بھی اسی کی طرح تصویروں میں کھوئی ہوئی تھی۔ اپنی مصروفیت کو جاری و ساری رکھتے اس نے سمیرا کی بات میں ٹکڑا لگایا۔

"آپ خواتین تو یوں ان تصویروں کو دیکھ رہی ہیں جیسے تقریب میں شرکت ہی نہ کی ہو اور یہ جو لوگ نظر آ رہے ہیں' ان تصویروں میں ان سے کبھی ملاقات کا شرف ہی حاصل نہ ہوا ہو۔" ضیاء جو کچھ دیر سے ان کے ساتھ الجھا بیٹھا تھا ان لوگوں کی محویت پر ٹوک بیٹھا۔

"تو ہم کون سا تقریب میں اڑتے پھر رہے تھے' زیادہ تر ایک ہی جگہ بیٹھے رہے۔ چند ایک ہی لوگوں سے ملاقات کی۔" سمیرا نے تاسف سے کہا۔

"تو کس نے کہا تھا کہ ایلفی لگا کر چپک جاؤ کرسیوں کے ساتھ۔ غضب خدا صحافیوں والی تو کوئی خصوصیت ہی نہیں پائی جاتی محترماؤں میں۔ بجائے اس کے کہ خود خبریں تلاش کریں اور دنیا میں یوں اخبار کو گھور گھور کر دیکھتی ہیں جیسے دنیا کی کوئی خبر ہی نہ ہو۔ جنہیں دنیا کو اطلاعات فراہم کرنا ہوں' انہیں ایسی بے خبری زیب نہیں دیتی۔" وہ ان دونوں کو خوب اچھی طرح جھاڑ رہا تھا۔ کبھی کبھی وہ دوں ہی دوست سے انچارج کا روپ دھار لیتا تھا۔

"سمیٹیں یہ سارا پھیلاوا' ابھی پندرہ منٹ بعد مجھے صمدانی صاحب کا فیملی انٹرویو لینے پہنچ کر ان کے گھر جانا ہے۔ عنوی آپ ریڈی ہو جائیں' آپ میرے ساتھ چلیں گی اور سمیرا آپ جاوید صاحب سے رابطہ کریں' ان کا آرٹیکل ابھی تک موصول نہیں ہوا' سنڈے میگزین میں اپنا پیج لگ جائے گا۔" اس کی ڈانٹ پر سمیرا تو جلدی جلدی تصویریں واپس لفافے میں رکھ کر ٹیلیفون پر نمبر ڈائل کرنے لگی جبکہ عنوی حق دق اسے دیکھنے لگی۔

"مگر ضیاء! وہ اسمارا تو کہہ رہی تھی کہ اسے جانا ہے تمہارے ساتھ۔ میں تو کوئی خاص تیاری بھی نہیں کر کے آئی۔" اسمارا کی بے حد اہتمام سے کی گئی تیاری اور اپنے سادہ سے کاٹن کے سوٹ کو دھیان میں رکھتے اس نے ڈرتے ڈرتے ضیاء سے کہا۔

"تو کیا اب یہاں اسمارا کی مرضی سے کام ہوا کرے گا۔ میگزین انچارج میں ہوں یا اسمارا اور رہی تیاری کی بات تو فار یور کائنڈ انفارمیشن' آپ نے انٹرویو لینا ہے' دینا نہیں۔" وہ اپنی اسی ٹون میں جواب دیتا دراز سے ٹیپ ریکارڈر نکال کر شہزاد کو آواز دینے لگا۔

"یوسف سے کہو' کیمرا وغیرہ گاڑی میں رکھوا کر خود بھی بیٹھے' ہم لوگ آ رہے ہیں۔"

"چلو۔" اسے ایک لفظی حکم سناتا وہ باہر نکل گیا۔

"یہ اس موڈ کے ساتھ انٹرویو کیسے کرے گا۔" اس نے تشویش سے سمیرا سے پوچھا۔

"ہو کر گزرے گا۔ جاری ہو ساتھ' دیکھ لینا' کیسی خوش اخلاقی برتے گا۔"

سمیرا فون سے فارغ ہو چکی تھی۔ کان پر سے بھی اڑاتے اطمینان سے بولی۔ عنوی جس نے پہلی بار ضیاء کا یہ انداز دیکھا تھا' سمیرا کے جواب پر قدرے مطمئن ہو کر باہر نکل گئی۔

○ ○ ○

"صمدانی کی بیوی تو بہت ینگ ہے ان کے مقابلے میں۔" سمیرا کی پیش گوئی کے مطابق صمدانی کے گھر پہنچتے ہی ضیاء کا موڈ خوشگوار ہو گیا تھا۔ کافی خوشگوار ماحول میں انٹرویو اور لنچ سے لطف اندوز ہو کر وہ لوگ ان کے گھر سے نکلے تو گاڑی میں بیٹھتے ہی عنوی نے بہت دیر سے ذہن میں گردش کرتے خیال کو زبان دی۔

"ہاں تو ان لوگوں کے لیے کیا مشکل ہے۔ خاندانی بیوی گاؤں میں ہے۔ جس سے جوان جوان بچے ہیں۔ یہ جن سے ابھی مل کر آ رہے ہیں' دوسری بیوی ہے۔ چار سال پہلے ہوئی تھی شادی۔ اولاد نہیں ہے اس بیوی سے اور نہ صمدانی کو ضرورت ہے۔ اس نے جوان عورت سے شادی اس لیے کی ہے کہ وہ اب بڑھاپے کی وجہ سے اتنا ایکٹو نہیں رہا ہے تو بیوی سے کام لے سکے اور صمدانی کی بیوی واقعی بڑے بڑے "کام" انجام دے رہی ہے۔" یوسف نے "کام" پر زور دیتے اسے اطلاعات فراہم کیں۔

"اف خدایا۔ یہ سیاست دان اپنی پرسنل لائف میں بھی سیاسی مفاد دیکھتے ہیں۔"

"اور ہمارا کام ہے ان کی ہر طرح کی سرگرمیوں سے واقف رہنا اور عوام کو مطلع کرنا' اسی لیے میں تم لوگوں سے کہتا ہوں ایکٹو رہو۔ اور گرد پر نظر رکھو۔ اگر باخبر نہیں رہیں تو تمہاری لیاقت اور اہمیت دونوں کم ہو جائیں گی۔ یہ صمدانی جو ہر جگہ تک چرچا مشہور ہے' دیکھا تھا میرے ساتھ کتنا اخلاق برت رہا تھا۔ صرف اس لیے کہ وہ جانتا ہے کہ میں "باخبر" ہوں۔ اگر وہ بیزار ہوا تو مجھے بھی دیر نہیں لگے گی اس کے چہرے سے نقاب ہٹانے میں۔"

عنوی کے بھرپور گرفت کرتے ضیاء نہایت سنجیدگی سے اسے صحافت کے اسرار و رموز سمجھا رہا تھا۔

"ضیاء! اگلے چوک پر گاڑی روک دینا' مجھے آرٹس کونسل جانا ہے' وہاں سے ٹیکسی لے لوں گا۔"

"گر کے۔" یوسف کے کہنے پر اس نے اثبات میں سر ہلایا اور چوک پر پہنچتے ہی گاڑی روک دی۔

"مجھے تم سے ایک ضروری بات کرنا تھی۔ آفس میں موقع نہیں ملا' سوچ رہا ہوں ابھی کر لوں۔" یوسف کے اترنے کے بعد گاڑی آگے بڑھاتے اس نے عنوی سے کہا تو اس کی حسیات بیدار ہو گئیں۔

"ہاشمی صاحب کے بیٹے کے ولیمہ پر امی ملی تھیں تم سے۔ آج کل ان کے دماغ میں میری شادی کا سودا سمایا ہوا ہے۔ تم سے ملیں تو تم انہیں اچھی لگیں۔ وہ کسی دن تمہارے گھر آنا چاہ رہی ہیں لیکن میں نے سوچا کہ پہلے تم سے اجازت لے لوں۔ ہو سکتا ہے' تم پہلے سے کہیں انگیج ہو یا پھر کوئی دوسرا مسئلہ ہو تو تمہیں امی کے آنے سے پریشانی نہ اٹھانا پڑے۔" وہ بہت ٹھہرے ہوئے اور سنجیدہ لہجے میں اسے آگاہ کر رہا تھا۔

"تمہاری امی نے مجھے پسند کیا ہے اور خود تمہاری کیا رائے ہے۔" وہ بہت اعتماد سے پوچھ رہی تھی۔

"سچ پوچھو تو میں نے اس بارے میں کچھ سوچا نہیں۔ سارا اختیار امی کو دے رکھا ہے۔ وہ کسی بھی سلجھی ہوئی اور تعلیم یافتہ لڑکی کو میرے لیے منتخب کریں' مجھے انکار نہیں ہو گا۔" ضیاء نے نہایت صاف گوئی سے کہا تو عنوی نے اطمینان کا سانس لیتے پوری توجہ سے اس کی طرف دیکھا۔ گندمی رنگت' ذہانت سے بھرپور آنکھیں' مناسب

قد و قامت' خوشحال اور مہذب فیملی کا وہ لڑکا کسی طور رد کیے جانے کے لائق نہیں تھا۔

"تم بہت اچھے ہو ضیاء! لیکن میں ابھی تم سے تو کیا کسی بھی شخص سے شادی نہیں کر سکتی۔ میں نے جاب کسی شوق کے تحت نہیں بلکہ خود کو ہونے والے اس ادراک کے بعد کی ہے کہ میری فیملی کو میری ضرورت ہے اور میں اپنی ذمہ داریوں کو پورا کیے بغیر اپنے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتی۔ البتہ اگر آپی چاہیں تو مجھ سے پہلے سونیا سے مل لیں۔ وہ میری بہن ہے اس لیے مجھ جیسی ہی ہے۔ اگر آپی اور تم نے پسند کیا تو ہمیں تم سے رشتہ جوڑ کر خوشی ہوگی لیکن یہ بات ذہن میں رکھنا کہ ابھی چھ سات ماہ تک ہم لوگ شادی کرنے کی پوزیشن میں نہیں ہیں۔" اس نے پوری وضاحت سے ضیاء کو بتایا تو وہ اس کی طرف بغور دیکھتے ہوئے بولا۔

"قربانی دینے کی کوشش کر رہی ہو۔"

"نہیں۔ بلکہ اپنا فرض ادا کرنے کی کوشش کر رہی ہوں۔" اس نے تردید کی۔

"تو ایک اچھے دوست کی طرح میں کوشش کروں گا کہ تمہاری کوشش کامیاب رہے۔" وہ مسکرایا تو غنوی کے ہونٹوں پر بھی ہلکی سی مسکراہٹ پھیل گئی۔

☼ ☼ ☼

"کیا ہوا اماں! خیریت تو ہے۔" وہ کاغذ قلم لے کر کمرے سے نکل کر لاؤنج میں بیٹھنے کے ارادے سے آئی تھی۔ اسے ایک اہم آرٹیکل لکھنا تھا لیکن اسے لگا کہ روشنی سے باقی لوگ ڈسٹرب ہو رہے ہیں اس لیے لائٹ آف کر کے خود باہر نکل آئی لیکن آدھی رات کو اماں کی لاؤنج میں موجودگی نے اسے پریشان کر دیا۔

"اسریٰ کو چیک اپ کے لیے لے گئی تھی آج۔ ڈاکٹر نے کہا ہے کہ آپریشن کرنا پڑے گا۔" انہوں نے بتایا۔

"آپ فکر نہ کریں ان شاء اللہ سب ٹھیک ہو جائے گا۔ ہم آپی کا آپریشن کسی اچھے ہسپتال سے کروائیں گے۔" اس نے اماں کو تسلی دی۔

"اور وہ جو بڑے ہسپتال والے لمبے چوڑے بل بنا کر دے دیتے ہیں۔" اماں کی فکر اور تشویش اپنی جگہ تھی۔

"آپ اس دن کہہ تو رہی تھیں کہ میری سیلری سے آپ نے بڑی کمیٹی ڈالی ہے۔ کمیٹی والی سے کہیں کہ آپ کو ضرورت ہے' وہ ارینج کر دے گی۔" غنوی نے مشورہ دیا۔

"ہاں اب یہی کرنا پڑے گا۔ اس کے سسرال والے پلٹ کر پوچھنے تک نہیں آئے' مزید ان سے کیا امید رکھوں۔ اسریٰ کی زندگی کا مسئلہ ہے' ورنہ سوچا تھا تمہارے لیے ایک سیٹ اور سونے کی چوڑیاں لے لوں گی۔" اماں نے سرد آہ بھری۔

"میری فکر مت کیا کریں اماں! میں نے اب بہادری سے جینے کا ڈھنگ سیکھ لیا ہے۔ میں نوکری اپنا جہیز بنانے کے لیے نہیں' اپنی بہنوں کے لیے کر رہی ہوں۔ ابھی آپ آپی کا خیال کریں' پھر کچھ رقم بچ جائے تو سونیا کے لیے کچھ لے لیجیے گا۔" وہ نہایت رسان سے بولی تھی لیکن اماں دہل گئیں۔

"تو اپنے بارے میں کیا سوچ رہی ہے غنوی؟"

"اپنے بارے میں کیا اماں! میں تو اپنے گھر والوں کے بارے میں سوچ رہی ہوں۔" اس کا اطمینان اپنی جگہ قائم تھا۔

"تمہارے ایک فیصلے نے تمہارے باپ کو تم سے دور کر دیا ہے' اب ایسا کچھ مت سوچو جو تم سے تمہاری زندگی کی خوشیاں چھین لے جائے۔" وہ اسے سمجھا رہی تھیں۔

"ہم اپنوں کے لیے سوچیں اور خوشی ہم سے دور رہے' یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ ابا ایک دن مجھے معاف کریں گے' اس بات کا مجھے یقین ہے کیونکہ وہ جانتے ہیں' میں غلط نہیں ہوں۔ بس کچھ وقت لگے گا انہیں اس بات کو ماننے میں۔" اس کی پلکیں بھیگنے لگیں تو اماں نے بے ساختہ ہی اسے اپنی بانہوں میں بھر لیا۔

"اللہ نے مجھے تم جیسی بیٹی دے کر بیٹے کی کمی کا احساس مٹا دیا۔ بیٹی کتنی پیاری نعمت ہے' یہ تو میں نے اب اتنے برسوں بعد جانا ہے۔" وہ اس کی پلکوں کے موتی چنتے خود بے تحاشا آنسو بہا رہی تھیں۔

☼ ☼ ☼

"اس کی آنکھیں کتنی خوبصورت ہیں' بالکل اسریٰ آپی کی طرح۔"

"اور سوتے میں یہ بالکل میری ماما کی طرح لگتی ہے۔ کیوٹ اینڈ انوسینٹ۔"

یہ ذرا صدیق ماموں کے بچوں نور اور فیصل کی

تھیں۔ آج آٹھواں دن تھا اسریٰ کی گود میں بچی آئے لیکن وہ دونوں جب بھی آتے' نئے نئے زاویوں سے بچی پر تبصرہ کرتے۔

"ماما! بچی کو اپنے گھر لے کر چلیں نا۔ ہم اس کے ساتھ کھیلیں گے۔" چھوٹے نور نے فرمائش کی۔

"اور اسریٰ آپی کیا کریں گی' وہ تو اداس ہو جائیں گی اپنی منی کے بغیر۔" ممانی نے سمجھایا۔

"تو اللہ میاں نے ہمیں بہن کیوں نہیں دی۔" نور سخت خفا تھا۔

"کوہر تو' کس نے کہا کہ اللہ میاں نے آپ کو بہن نہیں دی۔ یہ اسریٰ آپی' غنوی آپی' سونیا جو طوبیٰ' منی اور بڑی آپ کی بہنیں نہیں ہیں تو کون ہیں۔" صدیق ماموں نے بیٹے کو قریب بلا کر اپنی بانہوں کے حصار میں لیتے پوچھا۔

"ہاں' وہ تو ہیں لیکن یہ لوگ اتنے اتنے دن بعد ہمارے گھر آتی ہیں۔" باپ کی بات تسلیم کرنے کے ساتھ اس نے شکوہ بھی کیا۔

"تو بیٹا ان کو پڑھنا بھی تو ہوتا ہے۔ جیسے آپ روز روز اسکول کی چھٹی کر کے پھوپھو جان کے گھر نہیں جا سکتے ایسے ہی بہنیں بھی تو اپنے اسکول اور کالج کی چھٹی نہیں کر سکتیں۔" انہوں نے اسے سمجھایا۔

"لیکن غنوی آپی تو پڑھنے نہیں جاتیں۔ یہ تو ہمارے ساتھ ہمارے گھر چل سکتی ہیں۔" نور کو نیا خیال سوجھا۔

"پڑھنے نہیں جاتیں تو کیا ہوا' آفس تو جاتی ہیں۔" ماموں نے پھر سمجھایا۔

"لیکن آفس تو ہمارے گھر سے بھی جا سکتی ہیں۔ وہ کوئی چھوٹی بچی تو نہیں ہیں کہ انہیں ہمارے گھر سے آفس کا راستہ نہیں معلوم ہو۔" نور باپ کی دلیل سے ہارنے لگا تھا کہ فیصل نے کہا اور سب ہنس پڑے۔

"بس بھئی غنوی! اب تمہیں اپنے بھائیوں کا مطالبہ ماننا پڑے گا ورنہ یہ شیطان دلیلیں دے دے کر ہماری ناک میں دم کر دیں گے۔" ممانی نے کہا تو بچے اس کے سر ہو گئے۔

"اوکے بابا! لیکن ابھی نہیں۔ ابھی اسریٰ آپی ہسپتال میں ہیں۔ نیکسٹ ویک جب میرا آف ڈے ہو گا تو میں تم لوگوں کے ساتھ رہنے آؤں گی۔" بالآخر اسے وعدہ کرنا پڑا۔

"اور بتائیں آپا! اسریٰ کے سسرال والے بچی کو دیکھنے آئے یا نہیں؟" ان کا مسئلہ حل ہوتے ہی ممانی حمیدہ بیگم سے مخاطب ہوئیں۔

"ہاں۔ پرسوں شام تم لوگوں کے جانے کے بعد آئے تھے تھوڑی دیر کے لیے۔ ہزاروں باتیں سنا گئے کہ ہم نے اسریٰ کا خیال نہیں رکھا اس لیے آپریشن کی نوبت آئی اور یہ کہ میکے میں رہنے کا اثر ہے کہ اسریٰ بھی بیٹی کی ماں بنی' ورنہ ان کے خاندان میں تو بیٹا پہلا پیدا ہوتا ہے۔" انہوں نے دکھ سے بھاوج کو اسریٰ کی ساس کے الفاظ سنائے۔

"تو آپ کہتیں نا ان لوگوں سے کہ آپریشن کی نوبت میکے میں رہنے سے نہیں بلکہ سسرال میں دن رات گدھوں کی طرح کام کرنے اور ٹینشن برداشت کرنے کی وجہ سے آئی ہے۔" ممانی کو بھی سن کر غصہ آیا۔

"کیا کروں بیٹی والی ہوں' سہنا پڑتا ہے۔ پھر آگے بھی بیٹیوں کی لائن لگی ہے۔ خدانخواستہ بڑی کے ساتھ کچھ اونچ نیچ ہو گئی تو باقی کے لیے بھی مشکل ہو جائے گی۔ پہلے ہی غنوی نے جب سے اپنی پھپھو کو جواب دیا ہے انہوں نے خاندان بھر میں میری بچیوں کو زبان دراز اور منہ زور مشہور کر ڈالا ہے۔" انہوں نے ایک سرد آہ بھری۔

"فکر مت کریں آپا! آپ کی ساری بیٹیاں بہت سمجھدار اور نیک سیرت ہیں۔ اللہ وقت آنے پر سب کے نصیب کھول دے گا۔ آپ یہ بتائیں کہ اسریٰ کے دیور کی شادی کب ہے۔" ممانی نے انہیں تسلی دیتے ہوئے پوچھا۔

"آج سے آٹھ دن بعد ہے۔ کارڈ دے گئے ہیں وہ لوگ۔ اسریٰ کے آنے کا پوچھ رہے تھے۔ میں نے صاف کہہ دیا کہ گھر بھیجنے کا تو فی الحال سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ شادی والے دن اگر اس کی حالت بہتر ہوئی تو تھوڑی دیر کے لیے رخصتی کے وقت شادی ہال میں لے آؤں گی۔"

"اچھا کیا آپا! ابھی اسریٰ کو آرام کی ضرورت ہے۔ وہ لوگ تو عام دنوں میں اسے نوکرانی بنائے رکھتے ہیں۔ شادی والے گھر میں تو خدمت کا ذکر رکھ دیں گے۔"

اماں اور ممانی گفتگو میں مصروف تھیں جبکہ اسریٰ بظاہر بچی میں مگن خود کو بے نیاز ظاہر کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔ غنوی اور صدیق ماموں بھی بے بسی سے چپ بیٹھے تھے۔ یہ اسریٰ کی زندگی کے وہ حقائق تھے جنہیں وہ لوگ چاہتے ہوئے بھی بدلنے کی قدرت نہیں رکھتے تھے۔

☼ ☼ ☼

"غنوی آپی! ہمیں نا کرکٹ کھیلنے ہیں۔" اس نے

پڑنگ ہو کر فریج میں رکھا تو بڑی دیر سے اس کی فراغت کے منتظر فیصل اور آذر اس کے سر ہو گئے۔ وہ رات سے ماموں کے گھر جانے کی تیاری تھی مگر اپنا وعدہ ایفا کر سکے۔ صبح اتفاق سے ماموں کے کسی آفس کولیگ کے انتقال کی خبر آئی تو ماموں ممانی وہاں چلے گئے۔ اب گھر میں بچے تھے اور ان کی غنوی آپی جو ان کا فرمائشی کھانا تیار کرنے کے بعد اب ان کی فرمائش پوری کر رہی تھیں۔

"لیکن مجھے کرکٹ کھیلنی نہیں آتی۔" اس نے عذر پیش کیا۔

"تو کوئی بات نہیں، ہم لوگ ہو ہیں، ہم سکھا دیں گے۔" وہاں ہر مسئلے کا حل تیار تھا۔ چار و ناچار غنوی کو ان کے ساتھ باہر چھوٹے سے لان میں آنا پڑا۔

"ویری گڈ آپی! ایک اور زوردار شارٹ لگائیں۔ اس بار سکس ہونا چاہیے۔" فیصل پوری شدومد سے جاری تھا۔ آذر باؤلنگ کروا رہا تھا اور فیصل اسے چڑانے کے لیے غنوی کو مسلسل جوش دلا رہا تھا کہ وہ اونچے اونچے شارٹس کھیلے۔ فیصل کی فرمائش پر اس نے ایک زوردار شارٹ لگایا اور بال دیوار کو کراس کرتی برابر والے گھر کے لان میں جا گری۔

"لو، آپ تو آؤٹ ہو گئیں۔" فیصل کو افسوس ہوا۔ "اور اس کے ساتھ ہی کھیل بھی ختم کیونکہ بال تو گئی۔" غنوی نے اطمینان سے بیٹ گھاس پر ڈالا۔

"جی نہیں، ابھی میری بیٹنگ تو آئی نہیں۔" آذر صاحب منہ پھلا کر رونے کی تیاری کرنے لگے۔

"لیکن بغیر بال کے ہم کیسے کھیل سکتے ہیں۔" اس نے اسے سمجھانا چاہا۔

"مجھے کچھ نہیں پتا بس مجھے اپنی بیٹنگ لینی ہے۔" آذر کسی طور بھی سمجھنے پر راضی نہیں تھا۔

"تم بتاؤ فیصل! کیا کریں؟" مجبور ہو کر اس نے فیصل کی طرف رجوع کیا۔

"ہم جب باہر دوستوں کے ساتھ کھیلتے ہیں نا تو جس کے شارٹ سے بال جاتی ہے وہی لے کر آتا ہے۔" فیصل نے گویا اسے مسئلے کا حل بتایا۔

"مگر یہ تمہارے برابر والا گھر تو خالی ہے نا، وہاں سے بال کیسے آ سکتی ہے۔" اس نے عذر پیش کیا۔

"اسٹول کو چیئر پر رکھ کر دیوار پر چڑھیں اور چھلانگ لگا کر ادھر چلی جائیں، واپسی میں ان کے چھوٹے والے گیٹ کو کھول کر آجایئے گا۔" تو عمر بھر ایمان پر تیار تھا جس پر عمل کرنے میں غنوی شدید تذبذب کا شکار تھی لیکن آذر میاں کے منہ کے مسلسل بجتے زاویوں نے اسے مجبور کر دیا۔

فیصل کی بتائی ہوئی ترکیب پر عمل کرتے اس نے برابر والے گھر کے لان میں چھلانگ لگائی۔ سامنے ہی ہری بھری گھاس پر بال پڑی تھی۔

"جتنے قاعدے کے لوگ ہیں گھر میں کوئی نہیں رہتا پھر بھی لان کو اتنا مین ٹین کر رکھا ہے۔" کیاریوں میں کھلکھلاتے پھولوں کے پودوں کو دیکھتے ہوئے اس نے سوچا اور جھک کر بال اٹھانے لگی۔ یکدم ہی اپنے پیچھے سنائی دینے والی غراہٹ پر وہ اچھل کر سیدھی ہوئی۔ سامنے ہی بڑا سا سیاہ کتا موجود تھا۔ دہشت سے بال اس کے ہاتھ سے چھوٹ گئی اور اگلے ہی لمحے وہ فلک شگاف چیخیں مار رہی تھی جن کا مقابلہ کتا اپنی زوردار بھوں بھوں سے کر رہا تھا۔

"ٹیک۔ واٹ آر یو ڈوئنگ۔ جاؤ یہاں سے۔" تیز مردانہ آواز میں دیے گئے احکامات نے کتے اور غنوی دونوں کو چپ ہونے پر مجبور کیا۔ کتا تو فرماں برداری سے سر جھکا کر ایک طرف چل پڑا جبکہ غنوی نے خوف کے باعث بند کی جانے والی آنکھیں کھول کر اپنے سامنے کھڑے اجنبی کو دیکھا۔

"آپ کون ہیں؟" سوال خود بخود ہونٹوں پر چلا آیا۔

"ویری گڈ۔ جو بات مجھے پوچھنا چاہیے وہ آپ مجھ سے پوچھ رہی ہیں۔ یہ میرا گھر ہے اس لیے سوال پوچھنے کا حق بھی مجھے ہے۔ بتائیں کون ہیں آپ؟" وہ ڈپٹ کر پوچھ رہا تھا۔

"میں غنوی ہوں، غنوی ضمیر۔" کتے کی دہشت ابھی تک حواسوں پر چھائی ہوئی تھی۔ اپنے خشک ہوتے لبوں پر زبان پھیرتے اس نے جواب دیا تو سامنے والے کو مزید طیش آگیا۔

"کون غنوی؟ اس ملک کی پرائم منسٹر یا پریذیڈنٹ جنہیں میں نام سنتے ہی پہچان جاؤں گا۔"

"جی نہیں۔ اصل میں، میں برابر والے گھر سے آئی ہوں۔ وہ میرے ماموں کا گھر ہے۔ میں اپنے کزنز کے ساتھ لان میں کرکٹ کھیل رہی تھی تو شارٹ ذرا زیادہ زور سے لگ گیا اور بال ادھر آپ کے لان میں آ گری۔ یہ گھر پچھلے تین سال سے خالی تھا اس لیے بجائے نکل کر دروازے سے آنے کے میں دیوار پھلانگ کر یہاں آ گئی مگر وہ کتا۔" اس

نے ایک بار پھر خوف سے آنکھیں بند کر لیں۔

"تین سال سے گھر خالی تھا، یہ تو آپ کو معلوم ہے لیکن تین ماہ سے میں یہاں رہ رہا ہوں، یہ آپ نہیں جانتیں۔ ماشاء اللہ آپ خود کو حسینہ معین کی ہیروئن سمجھ رہی تھیں جو اوٹ پٹانگ حرکتیں کر کے دوسروں کو متاثر کرنے کی کوشش کرتی ہے۔"

"آپ حد سے بڑھ رہے ہیں مسٹر!" اس کے طنزیہ لہجے نے اسے غصہ دلایا۔

"حد سے میں نہیں آپ بڑھی ہیں۔ کسی کے گھر یوں چوری چھپے داخل ہونا جرم ہے۔ ابھی چاہوں تو پولیس کو کال کر کے آپ کو گرفتار بھی کروا سکتا ہوں۔"

"تو بلائیے، دیکھتی ہوں کیا بگاڑتی ہے پولیس میرا۔" اپنے ابا جی کی نوکری کا زعم خود بخود ہی لہجے میں آگیا۔

"صدیق صاحب کی کوئی عزیزہ اتنی بدتمیز اور قانون شکن ہو سکتی ہیں، مجھے نہیں معلوم تھا۔ شکر کریں کہ میں اس وقت اپنے کسی کام سے گھر آیا ہوا تھا ورنہ میری غیر موجودگی میں یہ کتا جو میں گھر کی حفاظت کے لیے کھلا چھوڑ کر جاتا ہوں، آپ کا حشر نشر کر دیتا۔" غنوی نے دیکھا، اس کی کالر سے ٹائی لٹکائے ہاتھ میں فائل تھامے وہ یقیناً آفس کے لیے نکل رہا تھا۔ اسے یکدم ہی اپنی غلطی اور پوزیشن کا احساس ہوا۔

"سوری۔" ایک غلطی معذرت کرتی وہ حیا سے گیٹ سے باہر نکل گئی۔ سامنے ہی فیصل اور آذر اپنے گیٹ کے سامنے کھڑے تھے۔

"سوری آپی!" اسے دیکھتے ہی ان دونوں نے کان پکڑ لیے لیکن وہ سخت خفا تھی۔ سو ان سنی کرتی گھر میں گھس گئی۔

"پلیز آپی! معاف کر دیں ورنہ پاپا ہم پر سخت غصہ ہوں گے۔" وہ دونوں بھی اس کے پیچھے پیچھے تھے۔

"تمہیں معلوم تھا کہ برابر میں کوئی رہتا ہے اور پھر بھی تم نے مجھے دھوکے میں رکھا۔" اس کا مخاطب فیصل تھا۔

"سوری آپی! ہم نے سوچا کہ تین بھائی تو اس وقت گھر نہیں ہوتے، اگر آپ جائیں گی تو کوئی آپ کو کچھ بھی نہیں کہے گا لیکن وہاں ڈاگ بھی ہوتا ہے، مجھے نہیں معلوم تھا۔ پلیز! آپ یہ سب پاپا کو مت بتائیے گا ورنہ وہ ہمیں سخت سزا دیں گے۔" وضاحت پیش کرتے اس نے ایک بار پھر ماموں سے شکایت نہ کرنے کی استدعا کی۔

"او کے آپ جا کر منہ ہاتھ دھوئیں میں کھانا لگاتی ہوں۔" وہ دونوں بھائی اس قدر شرمندہ اور خوفزدہ تھے کہ غنوی کو تھوڑی دیر پہلے اٹھائی جانے والی بے عزتی کو بھول کر انہیں ٹھیک کرنا پڑا۔

☼ ☼ ☼

"وقت دیکھو کتنا ہو رہا ہے اور ابھی تک تم لوگ نہانے دھونے سے ہی فارغ نہیں ہوئیں۔ کیا رات بارہ بجے پہنچو گی شادی میں۔"

منی کو تولیہ اٹھائے غسل خانے کی طرف جاتے دیکھ کر حمیدہ بیگم نے شور مچایا۔

"تو اماں! بس ابھی پانچ منٹ میں نہا لوں گی۔ ابھی تو غنوی آپو بھی نہیں آئیں اکیڈمی سے۔" منی نے انہیں جواب دے کر غسل خانے کا دروازہ بند کر لیا۔

"اس غنوی کو بھی آج ضرور جانا تھا اکیڈمی، ایک دن کی چھٹی کر لیتی تو کوئی غضب تو نہیں ہو جاتا۔ وہاں تمہارے ابا بیٹھے ہوں گے انتظار میں، دیر تم لوگ کرواؤ گی اور سارے خاندان کے سامنے باتیں مجھے سننا پڑیں گی۔"

اماں مزید فکرمند ہو گئیں۔ اصل میں آج تو شاہد کی شادی تھی۔ ابا اور چھوٹی ممانی تو پہلے سے ہی وہاں پہنچے ہوئے تھے۔ اماں بیٹیوں کی نوکری کی وجہ سے اور دیگر مسائل میں الجھی ان کے ساتھ ہی گھر پر رکی ہوئی تھیں لیکن اب وقت گزر جانے پر انہیں ہول اٹھ رہا تھا۔ جانتی تھیں شوہر اپنے بہن بھائی کے معاملے میں ہونے والی کوتاہیوں کو معاف کرنے کا حوصلہ نہیں رکھتے۔

"آپ پریشان نہ ہوں اماں! آج جا ہی رہے ہیں ہم لوگ وقت پر۔ آج کل باراتیں گیارہ ساڑھے گیارہ سے پہلے کہاں آتی ہیں اور ابھی تو صرف پونے آٹھ ہی ہوئے ہیں۔ غنوی بھی بس آتی ہی ہو گی۔ آپ کو معلوم ہے کہ اس کے بچوں کا آج اکیڈمی میں ٹیسٹ بھی تھا تو وہ جلدی چھٹی لے کر آ سکتی تھی۔ کپڑے وغیرہ تیار ہیں اس کے۔ بس آتے ہی تیار ہو جائے گی۔" منی نے ان کی گھبراہٹ کو سمجھتے ہوئے تسلی دی۔ وہ خود آفس سے کچھ دیر پہلے ہی آئی تھی اور نہا دھو کر ہلکی پھلکی ڈھیلی ڈھالی شلوار قمیص میں بڑے ریلیکس انداز میں بیٹھی ٹی وی پر کوئی ٹاک شو دیکھ رہی تھی۔ دیگر بہنوں کی طرح اماں نے اسے یوں آرام سے بیٹھنے پر اس لیے نہیں ٹوکا تھا کہ جانتی تھیں وہ منٹوں میں

تیار ہو جاتی ہے۔

"سرینی آپی نے کیا کہا تھا۔ آئیں گی شادی میں یا نہیں۔" ٹی وی کا والیوم کم کرتے اس نے اماں کا دھیان بٹانا چاہا۔

"تو کہہ تو دیے وہ کہہ رہی تھی کہ مشکل ہے۔ ابھی ہفتہ بھر تو ہوا ہے اسے واپس سسرال گئے۔ وہ لوگ پوری گرمیاں کے اتنے دن میکے میں گزارنے کی۔" اسریٰ کا ذکر انہیں مزید پریشان کر گیا۔

"ویسے عادت ہو گئی تھی اتنے دنوں میں ان کی۔ خاص طور پر ان کی بچی سے بڑی رونق تھی۔ اب تو آفس سے واپس آؤ تو گھر خالی خالی لگتا ہے۔"

"ہاں یہ تو ہے۔ یہ سب بھی اداس ہو رہی تھیں۔ سمعونہ ہاتھ لگا ہوا تھا سب کے۔ روز تو نئی فراک سلتی تھی بھانجی کے لیے۔ میرا بھی دل بہلا رہتا تھا۔" نواسی کا ذکر آتے ہی ان کے چہرے پر مسکراہٹ چلی آئی تھی جسے ذکر کی مسلسل تواتر نے قصے میں بدل دیا۔

"تو جاؤ تم کہیں تمہاری بہنا۔ جاکر دروازہ کھول دو۔ ان سے تو ایک پل بھی لگ رہا ہے صبر نہیں ہو رہا۔ میں جاکر سونیا کو دیکھتی ہوں۔" وہ بڑبڑاتی ہوئی بیٹیوں کے کمرے کی طرف بڑھ گئیں۔

"کیا بدتمیزی ہے طوبیٰ! تھوڑا سا صبر نہیں کر سکتیں؟" دروازہ کھولتے اس نے طوبیٰ کو ڈپٹا مگر پھر اس کے چہرے پر چھائے خوف زدہ سے تاثرات کو دیکھ کر ٹھٹک گئی۔

"کیا ہوا؟" اس نے پوچھا تو طوبیٰ نے بے ساختہ ہی گردن موڑ کر باہر کی طرف دیکھا۔

"کون ہے باہر؟" غنویٰ نے پوچھتے ہوئے باہر گلی میں جھانکا تو دو لڑکے گھر سے کچھ فاصلے پر جاتے ہوئے دکھائی دیے۔

"غنویٰ اماں کہہ رہی ہیں، جلدی سے تیار ہو جاؤ۔ پہلے ہی بہت دیر ہو گئی ہے اور آپی اب آپ بھی تیاری پکڑ لیں ورنہ اماں کا ٹینشن سے برا حال ہو جائے گا۔"

سونیا کی تاکید پر وہ طوبیٰ سے مزید کچھ نہ پوچھ سکی جبکہ گھبرائی گھبرائی سی طوبیٰ نے فوراً اسی اندر کی راہ پکڑی تھی۔

"ہوں، محلے کے کوئی آوارہ ہیں جنہیں دیکھ کر طوبیٰ ڈر گئی ہے۔" اس نے دروازہ بند کرتے خود ہی نتیجہ اخذ کیا اور تیار ہونے چل پڑی۔

☆ ☆ ☆

"کیسی ہو غنویٰ نصیب۔" سیڑھیاں چڑھتے عباس اس کے سامنے آکھڑا ہوا۔

"بہت اچھی۔" خاندان کی شادی تھی، سو عباس کی وہاں موجودگی غیر متوقع نہیں تھی۔ غیر متوقع تھی اس کی جرات جس کا مظاہرہ کرتے وہ غنویٰ سے مخاطب تھا۔

"اس میں تو خیر کوئی شک نہیں کہ تم بہت اچھی ہو۔" فیروزی اور پرپل امتزاج کے سوٹ پر لائٹ سا میک اپ کیے غنویٰ کا اس نے بغور جائزہ لیا۔

"راستہ چھوڑو میرا۔" تیوری چڑھاتے اس نے عباس کو دیکھا۔ کیسی والے لگے وہیں پہنچ نہیں تھا۔ اس سے باقی رقم کا حساب کتاب کرتے غنویٰ کو دیر لگ گئی تھی جبکہ اماں اور بہنیں آگے جا چکی تھیں اور وہ تنہائی کا فائدہ اٹھا رہا تھا۔ مہندی میں تو وہ اپنی مصروفیت کی وجہ سے شریک ہی نہیں ہو سکی تھی اور اب شادی میں آئی تھی تو پہلے ہی مرحلے پر ناخوشگوار صورت حال کا سامنا تھا۔

"میں نے کہا، میرا راستہ چھوڑو۔" عباس کو ڈھٹائی سے کھڑے دیکھ کر اس نے ایک ایک لفظ چباتے ہوئے اپنی بات دہرائی۔

"جب بھی کرتی ہو، چھوڑنے کی ہی بات کرتی ہو۔ تمہاری اس عادت نے تو ہمیں برباد کر دیا۔" جانے وہ دل گرفتہ تھا یا صرف دکھاوے کی کوشش کر رہا تھا۔

"آپ ان باتوں کا کیا مقصد؟ آخر کیا چاہتے ہو؟" اس نے بیزاری سے پوچھا۔

"جہاں پھولوں کو کھلنا تھا، وہیں کھلتے تو اچھا تھا
تم ہی کو ہم نے چاہا تھا، تم ہی ملتے تو اچھا تھا"

عباس کے بے حد اسٹائل سے شعر پڑھنے پر وہ مشتعل ہو کر مڑی اور ایک ہاتھ سے اسے دھکا دے کر راستہ بنا کر سیڑھیاں چڑھتی چلی گئی۔ یہ تو شکر تھا کہ ابھی بارات نہیں آئی تھی اور خاندان کے بھی گنے چنے لوگ پہنچے تھے ورنہ کسی کی نظر پڑ گئی ہوتی تو غنویٰ کو مزید پریشانی کا سامنا کرنا پڑتا۔ ویسے یہ بھی حیرت والا مقام تھا کہ اس دوران کوئی بھی سیڑھیوں کی طرف نہیں آیا تھا اور اوپر پہنچ کر اسے اس کی وجہ بھی سمجھ میں آ گئی۔ ایک ٹیبل کے گرد لوگوں کا رش لگا تھا اور وہاں سب سے نمایاں اماں کا آنسوؤں سے تر چہرہ تھا۔

"کیا ہوا اماں؟" وہ ہر ایک شخص کو نظر انداز کرتی تیزی سے اماں کی طرف بڑھی۔

"بیٹی! ہم لوگ چاہتے ہیں، بہن بھائی میں صلح ہو جائے۔ ماموں کو ماں سے جدا کر کے تو تکلیف برداشت نہیں ہوتی۔ بہتر ہے آج اس خوشی کے موقع پر تم لوگوں کا ملاپ ہو جائے۔ خدانخواستہ کل کو کسی بری گھڑی پر ملنا پڑا تو شرمندگی کے سوا کچھ ہاتھ نہ آئے گا۔" خاندان کے ایک بزرگ نے سمجھایا تو اس نے اماں کی طرف دیکھا۔

"مجھے اللہ نے بیٹا نہیں دیا تھا لیکن میں نے ہمیشہ محسن کے بھانجوں بھتیجوں کو اپنے بیٹے سمجھا۔ مجھے بھی تکلیف ہوتی ہے کہ ہم سب سے جدا ہوئے ہیں۔" اماں نے روتے ہوئے ان بزرگ سے کہا تو غنویٰ بے بسی سے انہیں دیکھ کر رہ گئی۔ وہ ہزار اسے اپنے بیٹوں جیسا کہتیں لیکن پھر بھی ان کی تنگی سامنے آ ہی جاتی تھی۔

"غنویٰ جھگڑے کی ابتدا تم سے ہوئی تھی اس لیے تم اپنی پھپھو سے اپنی بدتمیزی کی معافی مانگو۔" رشتے ملنے والا لمحہ بہت کڑا تھا۔ حق پر ہوتے ہوئے بھی اسے معتوب ٹھہرایا جا رہا تھا۔ اس کا دل چاہا چیخ کر انکار کرے لیکن اماں کے بہتے آنسو اور ابا کا سپاٹ چہرہ اسے مجبور کیے دے رہے تھے۔

"سوری پھپھو۔" اس نے خود پر جبر کرتے کرسی پر بیٹھی پھپھو سے جھک کر کہا تو انہوں نے فوراً ہی اسے گلے لگا لیا۔

"میری قسمت خراب تھی کہ میں اپنی پھولوں جیسی بھتیجی کو چھوڑ کر وہ جھاڑ جھنکاڑ اپنے گھر لے آئی۔ دن رات کانوں پر تکرار رہی ہے بہن۔" پھپھو کی بے کلی بات لاتے ہوئے بڑا ساہو کر ان سے دور ہونے پر مجبور کیا۔

"شیریں ہو گئے بڑی بی کے ورانے آرے میں تو کہتی ہوں بھتیجی عقل مند تھی۔ ان کی فطرت پہچان گئی اور اپنا دامن بچا لیا۔ نصیب تو میرا خراب تھا جو میں ان کے چنگل میں پھنس گئی۔"

پھپھو کی بہو کے بارے میں جیسا سنا تھا وہ اس سے کچھ بڑھ کر ہی تھی۔ بے ادب اور بد لحاظ۔ خاندان والوں کی موجودگی کا لحاظ کیے بغیر جو عورت اتنا بول سکتی ہو، وہ گھر کے اندر کیسے تماشے لگاتی ہوگی۔

تھوڑی دیر پہلے عباس کے رویے سے ہونے والی کوفت خود بخود ہی ختم ہو گئی کیونکہ عباس کے اپنے حصے میں زندگی بھر کی کوفت آئی تھی۔

پھپھو، اماں ابا سے گلے ملنے کے بعد اب باقی بھتیجیوں کو گلے لگا رہی تھیں۔ غنویٰ اس منظر سے نکل کر ڈریسنگ روم کی طرف بڑھ گئی تاکہ نوشابہ سے مل سکے۔

☆ ☆ ☆

"آج حسنین حیدر کے تھیٹر گروپ کا ڈرامہ ہے۔ شام میں آپ کو میرے ساتھ چلنا ہو گا غنویٰ۔" ضیاء نے اسے مطلع کیا تو اپنے کام کو جاری رکھتے اس نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"آپ انٹرویو کے لیے آؤٹ لائن بنا لیجئے گا۔ ہم پروگرام شروع ہونے سے پہلے وہاں پہنچ جائیں گے۔ میں نے حسنین حیدر سے فون پر ٹائم لے لیا ہے۔ ادارے کی کوریج کے ساتھ ساتھ اگر اس کا انٹرویو بھی چھپ جائے تو اچھا ہے۔"

"ہو گے میں کر لوں گی۔" اس نے ضیاء کو تسلی دی۔ سنجیدہ تھیٹر کے حوالے سے کچھ عرصے سے حسنین حیدر کے نام کی بازگشت بہت تسلسل سے سنائی دے رہی تھی۔ اس نے اپنے تھیٹر گروپ کا نام ایم (Aim) رکھا تھا اور اس کا دعوا تھا کہ Aim کے ہر ڈرامے کے پیچھے یہ مقصد ہوتا ہے کہ لوگوں کو کوئی اچھا میسج دیا جا سکے۔ اب سے پہلے وہ لاہور کے تھیٹرز میں کام کر رہا تھا۔ کراچی میں اس کا یہ پہلا تھیٹر تھا اسی لیے ضیاء اس کی کوریج پر خصوصی زور دے رہا تھا۔

غنویٰ نے اپنے سامنے پچھلے کام کو سمیٹتے ضیاء کی ہدایت کے مطابق حسنین حیدر کے انٹرویو کی تیاری شروع کر دی۔ اس سلسلے میں اسے کچھ پرانے ریکارڈز بھی دیکھنا پڑے تھے کیونکہ وہ چاہتی تھی کہ جب وہ حسنین حیدر کے سامنے بیٹھے تو اس کے پاس اس کے کام کے حوالے سے ٹھیک ٹھاک انفارمیشن موجود ہو ورنہ ضیاء سے جھاڑ پڑنے کا خدشہ تھا۔ گھر فون کر کے اس نے اپنی دیر سے واپسی کے بارے میں اماں کو مطلع کر دیا تھا۔ اس کی جاب کی نوعیت ایسی تھی کہ کبھی کبھار ہی سہی لیکن اسے دیر تک باہر رکنا پڑ جاتا تھا۔ ویسے بھی اگر اماں کو قبل از وقت آگاہ کر دیا جاتا تو وہ اس کے گھر واپس آنے تک ہولتی نہیں رہتی تھیں۔

"ہوں، اچھے سوالات ہیں۔ میں بھی یہی چاہتا تھا کہ روٹین سے ہٹ کر ذرا کام کا انٹرویو ہو۔ خود حسنین بھی چڑتا ہے اس قسم کے سوالوں سے جس میں اس سے اس کے پسندیدہ رنگ، غذا، ڈریس وغیرہ کے بارے میں پوچھا

جائے اس کا کہنا ہے کہ میرا حوالہ میرا کام ہے' اس لیے بات بھی اسی حوالے سے ہونا چاہیے۔"

روانی سے کل ضیاء نے اس کے تیار کردہ سوال نامہ کو دیکھتے ہوئے اسے سراہنے کے ساتھ ساتھ حسنین حیدر کے بارے میں بھی بتایا۔ اس کے لہجے میں حسنین حیدر کے لیے ایک خاص قسم کی ستائش تھی۔

"لگتا ہے' تمہاری حسنین حیدر سے اچھی خاصی واقفیت ہے۔" غنوئی نے اندازہ لگایا۔

"بہت زیادہ نہیں لیکن اکثر لاہور کے دورے میں میری اس سے ملاقات ہوتی رہی ہے۔ بہت بریلینٹ شخص ہے۔ اپنے لکھے ہوئے کو خود ڈائریکٹ کرتا ہے۔ ساتھ کام کرنے والے کہتے ہیں۔ حسنین حیدر کی ہر تخلیق کے معیار پر پہنچنے میں واقعی بے حد تھکاتا ہے۔"

ساتھ ساتھ باہر نکلتے ضیاء نے مزید بتایا اور غنوئی بغیر ملے ہی حسنین حیدر سے مرعوب ہونے لگی۔ ضیاء کی زبان سے کسی شخص کی تعریف نکلنے کا مطلب تھا' وہ شخص حقیقتاً بہت زبردست ہے۔ ضیاء یونہی کسی عام شخص کو گھاس نہیں ڈالتا تھا۔

"حسنین صاحب اسٹیج کے پیچھے والے روم میں آپ لوگوں کا انتظار کر رہے ہیں۔" تھیٹر پہنچنے پر ایک آدمی نے انہیں خوش آمدید کہتے ہوئے ان کی رہنمائی بھی کی۔

اسٹیج کے پیچھے لائن سے تین چار روم تھے۔ کاریڈور میں لوگوں کا آنا جانا لگا ہوا تھا۔ ضیاء نے ایک شخص کو روک کر حسنین حیدر کا روم پوچھا۔

"کم ان۔" دروازے پر دستک دینے پر فوراً ہی جواب ملا۔

"ضیاء آؤ یار' بیٹھو۔" اندر داخل ہوتے ہوئے وہ ضیاء سے دو قدم پیچھے تھی اس لیے اس کی نگاہ صرف ضیاء پر ہی پڑی۔

"اسٹیج کے لیفٹ سائیڈ پر تیسری لائٹ کچھ ڈسٹرب ہے۔ تم اسے دیکھو ابھی پندرہ منٹ میں مجھے اسٹیج بالکل ریڈی ملنا چاہیے۔"

وہ اپنے سامنے کھڑے شخص کو ہدایت دے رہا تھا اور غنوئی حیرت سے اس شخص کو دیکھ رہی تھی۔ ابھی کچھ دن پہلے اس شخص کو اس نے تھری پیس سوٹ میں سر سے لے کر پیر تک نک سک سے تیار دیکھا تھا جس کی ڈریسنگ سے لے کر رعب انداز تک آج بالکل بدلا ہوا تھا۔ جینز کی پینٹ پر ڈھیلی ڈھالی ٹی شرٹ پہنے تھوڑے بکھرے ہوئے بالوں کے ساتھ وہ ایک لاابالی سا آرٹسٹ لگ رہا تھا۔

"سوری یار! ذرا پہلے سے کتنی ہی تیاری رکھو لیکن عین وقت تک کچھ نہ کچھ پرابلم رہتا ہے اور پھر یہاں سارا سیٹ اپ بھی نیا ہے۔ وہاں کے لوگوں کو میری عادت اور کام کرنے کے اسٹائل کا معلوم تھا' یہاں ایڈجسٹ کرنے میں تھوڑا وقت ہو رہا ہے۔" ان لوگوں کی طرف رخ کرتے اس نے ضیاء کو مخاطب کرتے ہوئے معذرت خواہانہ لہجے میں وضاحت دی۔

"ضیاء کا تو مجھے معلوم ہے کہ یہ کافی لے گا۔ مس آپ بتائیں کہ آپ کیا پینا پسند کریں گی۔" اس بار اس نے براہ راست غنوئی کو مخاطب کیا۔

"میں بھی کافی ہی لے لوں گی۔" اس کے طرز تخاطب اور آنکھوں کی اجنبیت سے غنوئی کو سکون ہوا کہ وہ اسے پہچان نہیں سکا ورنہ اسے بہت شرمندگی محسوس ہو رہی تھی۔

"لاہور میں اچھے خاصے سیٹ اپ کو چھوڑ کر کراچی شفٹ ہونے کے پیچھے کوئی خاص وجہ؟" وہ خود باہر تک جا کر کافی کا آرڈر دے کر آیا تھا۔ واپس آ کر سیٹ پر بیٹھا تو غنوئی نے سوال داغا۔

"وجہ میرے والد محترم ہیں۔ انہوں نے کہا بیٹا کھیل تماشے بہت ہو گئے' اب کراچی جا کر وہاں کا آفس سنبھالو اور یوں ہم آپ کے شہر میں گزشتہ تین ماہ سے قیام پذیر ہیں۔"

"یعنی آپ کے والد کو آپ کا تھیٹر کرنا پسند نہیں۔"

"نہیں' یہ بات نہیں لیکن اکلوتا بیٹا ہونے کی حیثیت سے وہ مجھ سے یہ امید رکھتے ہیں کہ میں ان کے بزنس میں انہیں سپورٹ کروں۔" اس کے خیال کی تردید کرتے حسنین نے وضاحت دی۔

"اور آپ اب پھر تھیٹر کی دنیا میں لوٹ آئے ہیں۔"

"میں تھیٹر کی دنیا سے کبھی نکلا ہی نہیں۔ تین مہینے کا عرصہ جو بظاہر میں نے خاموشی سے گزارا ہے' اصل میں بے حد مصروف تر تھا۔ اسکرپٹ تیار کر کے اس کے حساب سے اداکاروں کی تلاش' ہال کی بکنگ' ریہرسل' پبلسٹی اور انویٹیشنز وغیرہ کے مراحل سے تنہا جبکہ میں اپنے بزنس کو بھی ٹائم دے رہا ہوں' کافی محنت طلب کام ہے۔" وہ بہت سنجیدگی سے اس کے سوالوں کے جواب

دے رہا تھا جبکہ ضیاء اس دوران خاموشی سے بیٹھا تھا۔

"آپ کا دعویٰ ہے کہ آپ اپنے تھیٹر کے ذریعے لوگوں کو صحت مند تفریحات دیتے ہیں۔ تو کیا آپ کے خیال میں ڈرامہ لوگوں کی سوچ اور رویوں پر اثر ڈال سکتا ہے؟" غنوئی کا سوال کافی چبھتا ہوا تھا۔

"اصل بات یہ ہے مس کہ میں اپنے حصے کا کام پوری دیانت داری سے انجام دے رہا ہوں۔ میرے پاس ایک پلیٹ فارم ہے' جہاں سے میں لوگوں کو میسج دے سکتا ہوں۔ اب چاہے چند افراد ہی اس میسج کو ریسیو کر کے معاشرے میں پوزیٹو ری ایکشن دیں۔ میرا مقصد بہرحال پورا ہو جاتا ہے اور کچھ نہیں تو مجھے کم از کم یہ اطمینان تو ضرور ہے کہ میں پھکڑ اور بیہودہ فقرے بول کر لوگوں کو ہنسانے یا دیوار پھلانگ کر گھر میں گھسنے والی لڑکی کے عشق میں ہیرو کو جلا کرنے جیسے ڈرامے نہیں لکھ رہا۔"

اس کے جواب نے غنوئی کی قوت گویائی سلب کر لی۔ اس کا دیا ہوا حوالہ ایسا تھا کہ غنوئی کو سمجھنے میں دیر نہ لگی کہ وہ اتنی دیر سے ناشناسائی کا جو مظاہرہ کر رہا تھا' وہ سراسر اداکاری تھی۔

"فیملی تمہاری لاہور میں ہی ہے تو یہاں اکیلے گھر میں کیا فیل کرتے ہو؟" غنوئی کو خاموش دیکھ کر ضیاء نے سوال و جواب کا سلسلہ آگے بڑھایا۔ "فیملی کو مس کرنا بچکانہ بات ہے' البتہ اکیلے گھر کے حوالے سے کوئی فلسفہ نہیں کیونکہ گھر جانے کا موقع ہی بہت مشکل سے ملتا ہے اور جب جاتا ہوں تو اتنی شدید تھکن کے ساتھ کہ کچھ سوچنے سے پہلے ہی نیند آ جاتی ہے۔"

"گھر کے انتظام کو کون مینج کرتا ہے؟" گفتگو پروفیشنل باتوں سے ہٹ کر پرسنل ٹاپکس کی طرف جا رہی تھی۔

"پہلے جزوقتی ملازمہ صفائی وغیرہ کر جاتی تھی' حفاظت کے لیے کتا رکھ چھوڑا تھا لیکن پھر احساس ہوا کہ یہ کچھ مناسب نہیں' اس لیے اب ایک میاں بیوی کو رکھ لیا ہے' وہاں کل کر سب کچھ دیکھ لیتے ہیں۔" غنوئی کی طرف بغور دیکھتے اس نے جواب دیا۔ چہرے پر چھائی سنجیدگی کے باوجود غنوئی کو اس کی آنکھوں میں شرارت کی جھلک دکھائی دی۔

"آج کے ڈرامہ کے حوالے سے کیا کہو گے؟" ضیاء کو کچھ احساس ہوا تھا سو اس نے گفتگو کا رخ واپس اس کے کام کی طرف کیا۔

"یہ ڈرامہ ہمارے معاشرے میں رائج غیر ضروری رسومات اور فرسودہ عقائد پر ضرب لگانے کی ایک کوشش ہے کیونکہ ان رسومات اور عقائد نے لوگوں کو اس بری طرح جکڑ رکھا ہے کہ ان کی زندگیاں ایک دائرے میں محدود ہو کر رہ گئی ہیں۔ یہ رسومات غیر ضروری اخراجات سے لے کر جرم کے ارتکاب تک کے مراحل کو کیسے جنم دیتی ہیں' ہم نے اپنے ڈرامے میں دکھانے کی کوشش کی ہے۔"

اب وہ بہت سنجیدگی اور بردباری سے ڈرامہ کے موضوع کی وضاحت پیش کر رہا تھا۔ اس کی گفتگو میں کئی ایسے مقامات آئے کہ غنوئی کو اپنی خاموشی توڑ کر اس کے ساتھ شامل ہونا پڑا۔

"واقعی Aim ڈرامہ لوگوں کا ہم مختلف اور بامقصد ہے۔" حسنین حیدر کے انٹرویو کے بعد اس نے ضیاء کے ساتھ ڈرامہ بھی دیکھا تھا۔ ہال سے باہر نکلتے ہی بے ساختہ اس کے منہ سے نکلا تھا۔

"ہاں' یہ لوگ واقعی چونکا دینے کی صلاحیت رکھتے ہیں اور اصل تو حسنین کی محنت ہے۔ لاہور سے یہاں آنے کی وجہ سے اس کے ساتھ کام کرنے والے بہت سے لوگ چھوٹ گئے ہیں لیکن نئے لوگوں کے ساتھ بھی اس نے اپنا معیار برقرار رکھا' یہ بہت بڑی بات ہے۔" ضیاء نے تائید کی۔

"تمہیں گھر چھوڑ دیتا ہوں۔ انٹرویو کو مکمل کر کے اسی سنڈے کے میگزین میں لگا رہا ہوں۔ میں واپسی میں آفس جاؤں گا۔ کل پرسوں کے اخبار میں حسنین کے ڈرامے پر چھوٹی سی خبر تو لازماً لگنی ہی چاہیے۔"

ضیاء نے واپسی میں ساتھ ہی اپنا پروگرام بھی بتایا۔

"صدیقی صاحب سے آج کل ملاقات نہیں ہوتی۔ کہاں مصروف ہیں وہ؟" گاڑی روڈ پر ڈالتے اسے خیال آیا تو پوچھنے لگا۔

"وہ آج کل جاپان جانے کی تیاریوں میں لگے ہیں' ان کی کمپنی انہیں پانچ سال کے لیے وہاں بھیج رہی ہے۔" غنوئی نے بتایا۔

"پانچ سال۔۔۔ پھر تو فیملی کو بھی ساتھ لے جا رہے ہوں گے۔"

"بالکل، اتنا عرصہ بیگم اور بچوں کے بغیر کہاں رہ سکتے ہیں وہ۔" فنوی نے ہنس کر بتایا۔

"ابھی تو کچھ عرصہ ہیں، دو سال۔ اصل میں ابا ایک دو دن میں تمہاری طرف آنے والے ہیں۔ سونیا کے حوالے سے میں نے ان کو قائل کر لیا ہے۔ اس موقع پر صدیقی صاحب بھی اگر موجود ہوں تو اس کو سپورٹ مل جائے گی۔" ثنا نے کہا۔

"تم فکر مت کرو' ماموں کو تمہارے حق میں ووٹ ڈالنے سے پہلے پاکستان کی حدود سے نکلنے نہیں دوں گی میں۔" فنوی نے نہایت جوش سے اسے تسلی دی۔ اس دن کے بعد سے ضیاء کی طرف سے پہلی پیش رفت ہوئی تھی۔ سو اس کا خوش ہونا فطری تھا۔

۞ ۞ ۞

"بیٹا چاول بھگا لینا' تمہاری پھپھو کا فون آیا ہے کہ وہ لوگ پہنچ رہے ہیں۔" وہ یخنی کے لیے پیاز براؤن کر رہی تھی کہ اماں نے کچھ الجھے الجھے سے تاثرات کے ساتھ اسے ہدایت دی۔

"اُف۔۔۔ انہیں بھی آج ہی آنا تھا۔" اپنی عادت کے برعکس وہ کچھ جھنجلائی۔ ضیاء کی فیملی آج ان کے گھر آ رہی تھی' ایسے میں پھپھو کا اپنی فیملی کے ساتھ آنا اسے تشویش میں مبتلا کر رہا تھا۔

"اب جو بھی ہو لیکن میں انہیں آنے سے منع تو نہیں کر سکتی۔ تعلقات بحال ہونے کے بعد پہلی بار آ رہی ہیں۔" اماں بھی اپنی جگہ مجبور تھیں۔

"سونی آپی کو لینے کے لیے کیا آپ نے؟"

"نہیں' کون سا انہیں معلوم ہے کہ بات نہیں ہوتی۔ تمہارے ابا کو ہی جا کر اسے لانا پڑا۔ میں نے کہا رہنے دیں ابھی تو وہ لوگ سونیا کو دیکھنے آ رہے ہیں۔ کون سا منگنی یا شادی ہو رہی ہے۔ کوئی رسم کرنے کی نوبت آئے تو پھر دیکھیں گے۔"

"ان شاء اللہ وہ وقت بھی آئے گا' آپ فکر نہ کریں اور طوبیٰ صفائی سے فارغ ہو گئی ہو تو یہاں میرے پاس بھیج دیں۔" اس نے کہا تو وہ امید بھری نظروں سے باہر نکل گئیں۔

"جی آپی کیا کام ہے؟" تھوڑی دیر میں طوبیٰ اس کے سامنے تھی۔

"یہ ہرا مسالا کاٹ کر کبابوں کی ٹکیاں بنا لو۔ بعد میں تل لیں گے تاکہ گرم رہیں۔" اس نے اپنے کام میں مصروف رہتے طوبیٰ کو ہدایت دی۔ چھوٹے چھوٹے کام تو منی اور بڑی دیکھ رہی تھیں۔ چنانچہ جب پھپھو اور ضیاء کی فیملیز آگے پیچھے پہنچیں تو وہ تیار تھی۔

"دیکھیں بھائی صاحب! ضیاء کی کوئی بات ایسی نہیں کہ فنوی سے چھپی ہو۔ ساتھ کام کرتے ہیں' ایک دوسرے کو اچھی طرح جانتے ہیں۔ سچ پوچھیں تو ہم بھی فنوی کو دیکھ کر آپ کے گھر آئے ہیں۔ اس نے کہا کہ میری بہن میری طرح ہے تو ہم نے یقین کر لیا۔ شکل صورت کو ہم اتنی اہمیت نہیں دیتے۔ اصل چیز سیرت ہے اور فنوی کو دیکھ کر ہمیں آپ کی بڑی بیٹی کی سیرت کا اندازہ ہو گیا۔ آپ نے یقیناً اپنی سب بیٹیوں کو ایک جیسی تربیت دی ہو گی۔ اس لیے ہماری طرف سے ہاں ہے۔ آپ اجازت دیں تو ہم ابھی سونیا بچی کا منہ میٹھا کرا جائیں' ورنہ جیسی آپ کی مرضی۔" ان کی امی نہایت سہولت سے بات کر رہی تھیں۔

"یہ بات تو آپ نے سولہ آنے ٹھیک کہی بہن کہ میری بھتیجی سیرت میں یکتا ہے۔ سچ ہے چہرے کی پہچان تو ہر کوئی کرتا ہے' ورنہ ہم جیسے تو چمکتی ہوئی چیزوں کو ہیرا سمجھ کر کنکر پتھر اپنے دامن میں جمع کر لیتے ہیں۔" ان لوگوں کے اندیشوں کے برعکس پھپھو ضیاء کی فیملی سے بہت اچھی طرح ملی تھیں اور اب بھی بھتیجیوں کی تعریف میں رطب اللسان تھیں۔

"سچ تو یہ ہے کہ بیٹیوں کے معاملات میں بہت چھان بین کی ضرورت ہوتی ہے لیکن آپ کا معاملہ مختلف ہے۔ جیسے آپ میری بیٹی پر اعتماد کر کے میرے گھر تک آ گئے ہیں ویسے ہی مجھے بھی اعتبار ہے کہ اس نے اپنی بہن کے بہترین مستقبل کے لیے ہی آپ کو یہاں آنے کی دعوت دی ہو گی۔ اس لیے میری طرف سے ہاں ہے۔ آج سے سونیا مجھ سے زیادہ آپ کی بیٹی ہے۔"

ابا کے الفاظ امرت بن کر فنوی کے کانوں میں گھلے تھے۔ اس نے بے یقینی سے ابا کے چہرے کی طرف دیکھا۔ وہاں بہت مان بھری خوبصورت مسکراہٹ تھی۔ اپنی محنت کے ثمر ہونے کی نوید پر فنوی کی پلکیں بھیگنے لگیں لیکن وہ سب کے سامنے رونا نہیں چاہتی تھی' اس لیے خاموشی سے اٹھ کر کچن میں چلی گئی۔

"آپا میں کراؤں گی سب' آپ رہنے دیں۔" طوبیٰ اسے دیکھ کر دوڑی آئی۔ ڈرائنگ روم میں ضیاء کی فیملی کے ساتھ صرف بزرگ موجود تھے۔ پھپھو کی کل اولاد اور فنوی سے چھوٹی بہنیں دوسرے کمرے میں سونیا کے ساتھ چھیڑ چھاڑ میں لگی تھیں۔

"سنیں' تم سونیا کو دیکھو۔ اس کا ہلکا پھلکا میک اپ کرا دو اور کمرے میں رول چیک کرو۔ ضیاء کے گھر والے بھی منگنی رسم کا ارادہ کر رہے ہیں۔"

"واقعی!" طوبیٰ خوش ہو کر اندر سب کو بتانے کے لیے بھاگی۔

"اے اللہ! تیرا شکر ہے کہ تو نے آج میرے باپ کی نظروں میں میری عزت بحال کر دی۔" دل ہی دل میں اللہ سے مخاطب وہ اپنے رخساروں پر بہتے آنسوؤں کو انگلی کی پوروں سے صاف کر رہی تھی جب کسی نے کیمرے کا فلیش چمکا۔

"یہ کیا بدتمیزی ہے؟" سامنے کیمرا لیے کھڑے عباس کو دیکھ کر اس کا خون کھولا۔

"شبنم کے موتی پھول پر۔ یہ تو وہی قصہ ہوا۔" اس کے بھیگے رخساروں کی طرف اشارہ کرتے وہ مسکرایا۔

"تم اپنی حدود میں رہو تو بہت اچھا ہو گا۔" آواز دباتے ہوئے اس نے عباس کو تنبیہ کی۔

"محبت کی حد کوئی نہیں ہوتی۔"

"شٹ اپ۔" اس کی ڈھٹائی فنوی کو جھلسا رہی تھی۔

"سنا ہے تم شادی کے لیے راضی نہیں ہو تیں۔ یہ لوگ یونہی تو نہیں۔ یقیناً ہماری محبت نے تمہارا دامن تھام کر روک رکھا ہو گا۔" وہ بہت ادا سے بولا تو فنوی کے لیے اپنے غصے پر قابو پانا مشکل ہو گیا۔

"یہ صرف اور صرف تمہاری خوش فہمی ہے۔"

"میں تمہارے جھوٹ کو سچ مان لوں گا' یہ تمہاری بھول ہے۔"

"بھائی جان! آپ کو بھابھی صاحبہ یاد کر رہی ہیں۔" اچانک ہی شمس وہاں چلا آیا۔ عباس جو تھوڑی دیر پہلے تک شمس کو بہکا رہا تھا تیزی سے واپس پلٹا۔

"ارے یہ کیمرا تو دیتے جائیں۔" طوبیٰ نے کہا "کہ تصویریں میں کھینچوں۔" شمس کے ٹوکنے پر اس نے کیمرا اسے تھمایا اور وہاں سے چلا گیا۔

"میں آپ کی ہیلپ کروں فنوی آپی؟"

"نہیں اور پلیز اندر جا کر بیٹھو' میرا موڈ پہلے ہی بہت خراب ہو رہا ہے۔" عباس کی گفتگو کا نتیجہ تھا کہ اس کے لہجے میں شمس کے لیے بھی تلخی در آئی۔

"او کے میں جا رہا ہوں مگر میری اتنی بات یاد رکھیے گا کہ ہر شخص ایک جیسا نہیں ہوتا۔ عباس بھائی جیسے بھی ہیں اور جو بھی کرتے ہیں میں نہ اس کا ذمہ دار ہوں اور نہ حصہ دار۔" وہ بہت سرعت سے پلٹ گیا۔ فنوی کو اپنے رویے پر افسوس ہونے لگا۔

۞ ۞ ۞

"اُف۔۔۔ اتنی جلدی کیسے ہو گی ساری تیاری۔ سونیا باجو کا جہیز' ہمارے کپڑے' جیولری' ہینڈ بیگ۔ صرف ایک مہینے میں یہ سب کیسے ہو گا؟" ضیاء کی امی کے اصرار پر ایک ماہ بعد شادی کی تاریخ دے دی گئی تھی اور اب چھوٹی منی اور بڑی بے حد خوش ہونے کے ساتھ ساتھ پریشان بھی تھیں کہ اتنی جلدی تیاری کیونکر ممکن ہو سکے گی۔

"تم لوگوں کو فکر کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ جہیز لینے سے ضیاء اور اس کے گھر والوں نے سختی سے منع کر دیا ہے۔ باقی مہندی جیسی فضول رسومات کے بھی وہ لوگ مخالف ہیں۔ لے دے کر ایک شادی اور ولیمے کی تقریبات ہی ہونی ہیں' اس کے لیے بہت وقت ہے۔" فنوی نے انہیں ٹوکا۔

"پھر بھی سوچنا تو پڑے گا۔ آخر ہم دلہن کی بہنیں ہیں۔ کیوں طوبیٰ باجو؟" بڑی نے جیسے مدد طلب انداز میں کہتے طوبیٰ کی رائے جاننا چاہی۔

"آں۔۔۔ ہاں۔۔۔ کیا کہا؟" وہ بری طرح چونکی۔

"ایک تو یہ طوبیٰ باجو آج کل جانے کن خیالوں میں رہنے لگی ہیں۔ جب بھی بات کرو' نہیں سنتی ہیں۔" منی ہنسی۔

"کیا بات ہے طوبیٰ! کوئی پریشانی ہے کیا؟" منی کی بات پر فنوی نے بھی اس کی کیفیت نوٹ کرتے اس سے پوچھا۔

"نہیں آپا! بس وہ امتحانوں کی ٹینشن ہے۔ سوچ رہی تھی کہ شادی کے چکر میں پڑھائی ڈسٹرب ہو گی۔" نظریں جھکائے جھکائے اس نے وجہ بیان کی۔

"تم بے فکر ہو کر اپنی پڑھائی کرو' ہم لوگ ہیں نا۔ سارے کام سنبھال لیں گے۔ ویسے بھی کوئی بہت زیادہ دھوم دھڑکا تو کرنا نہیں ہے۔ زیادہ سے زیادہ تمہارے تین چار دن کا حرج ہو گا۔" فنوی نے تسلی دی۔

"ضیاء کے گھر والے تو بہت اچھے لوگ ہیں۔ ان کی تسلیوں اور اصرار کے آگے مجبور ہو کر میں نے شادی کی

تاریخ نے بھی دی ہے لیکن پھر بھی سوچ رہی ہوں کہ سونیا کے بھی کچھ ارمان ہوں گے۔ کچھ نہیں تو آٹھ دس جوڑے اور تھوڑا سا زیور ہی اس کی پسند کا بنوا دوں۔" بڑی دیر سے خاموش بیٹھی اماں نے اپنے خیالات کا اظہار کیا۔

"کیوں نہیں اماں اب اتنا تو ہم کر ہی سکتے ہیں بلکہ آج میں فارغ ہوں۔ ایسا کرتی ہوں، سونیا کو لے کر بازار چلی جاتی ہوں۔" اماں کی تائید کرتے اس نے فوراً ہی پروگرام بھی سیٹ کر لیا۔

"ٹھیک ہے، چلی جاؤ پھر ایک آدھ دن میں اسریٰ کی طرف بھی چلیں گے ابھی تک اسے کوئی خبر نہیں۔ جانے کو تمہارے ابا کے ساتھ بھی جا چکی ہوں لیکن اس کے سسرال والوں کا پتا ہے کہ بنا بات بولتے ہیں۔ اب بھی اچانک شادی طے ہو جانے پر یقین نہیں کریں گے۔ یہی کہیں گے کہ ہم نے جان بوجھ کر انہیں نہیں بتایا۔ خیر تو بہرحال ہیں ہی ان کی باتیں۔ پرسوں تک کارڈ چھپ کر آ جائیں تو پھر ہی جاؤں گی ان کی طرف۔" وہ اسریٰ کے سسرالیوں سے نالاں بھی تھیں اور ان کے ردعمل کا سوچ کر پریشان بھی۔

"آپ فکر نہیں کریں، سب ٹھیک ہو جائے گا۔ چلو منی، سونیا سے کہو تیار ہو جائے، ہم بازار جا رہی ہیں گے۔" اس نے اماں کو تسلی اور منی کو ہدایت دینے کے کام بیک وقت انجام دیے۔

تھوڑی ہی دیر میں وہ اور سونیا شاپنگ کے لیے روانہ ہو چکی تھیں۔

"ارے، آپ لوگ۔ السلام علیکم، کیا حال چال ہیں۔" وہ ابھی بوتیک میں داخل ہی ہوئی تھیں کہ عرشی سے سامنا ہو گیا۔ ضیاء بھی اس کے ساتھ تھا۔

"کیا لینے آئے ہیں آپ لوگ۔ یقیناً شادی کی ہی تیاری ہو رہی ہوگی۔" عرشی نے سونیا کو دیکھتے ہوئے شرارت سے کہا۔

"کچھ خاص نہیں، بس سونیا کے لیے اس کی پسند کے کچھ ڈریسز لینے تھے۔ تم لوگوں نے جہیز پر پابندی لگا رکھی ہے مگر میں نے سوچا کہ چلو کم از کم کچھ ڈریسز ہی لے لیں۔" مثنوی نے مسکراتے ہوئے وضاحت دی۔ سونیا تو ضیاء کو سامنے پا کر بالکل ہی خاموش تھی۔

"تم لوگ ڈریسز پسند کرو میں انتظار کر رہا ہوں۔" ضیاء نے سنجیدگی سے کہا تو وہ لوگ آگے کی طرف بڑھ گئیں۔ باہمی مشورے سے انہوں نے چھ سات سوٹ پسند کیے تھے جن میں سے دو سوٹ عرشی کے تھے۔

"ان سب کا بل ایک ساتھ بنا دیں۔" وہ لوگ کاؤنٹر پہنچیں تو ضیاء نے سیلز گرل کو ہدایت دی۔

"مگر یہ شاپنگ ہم نے کی ہے اس کی پے منٹ ہم ہی کریں گے۔" مثنوی نے احتجاج کیا۔

"تم چپ رہو اس موضوع پر ہم یہاں سے نکل کر بات کریں گے۔" اسے ڈپٹتے ہوئے ضیاء نے سیلز گرل کی طرف رخ کیا اور ذرا دیر میں وہ لوگ اس کے ساتھ ایک ریسٹورنٹ میں بیٹھے تھے۔

"جب میں نے کہہ دیا تھا کہ جہیز کے نام پر ہمیں کچھ نہیں چاہیے تو یہ کپڑوں کی خریداری کس سلسلے میں ہو رہی تھی؟" اس سے پہلے کہ مثنوی کچھ کہتی وہ اس سے باز پرس کرنے لگا۔

"جہیز کہاں ضیاء صاحب، یہ تو بس میں سونیا کو اس کی پسند کے چند جوڑے دلا رہی تھی۔ اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔" وہ وضاحت دینے لگی۔

"فرق پڑتا ہے بہت فرق پڑتا ہے۔ میں معاشرے میں رائج فرسودہ رسومات کے خلاف باتیں کروں اور خود میرے ساتھ یہ ہو کہ میری بیوی اپنی پسند کے کپڑے اپنے جہیز میں لے کر آئے۔ کیوں؟ کیا میں اسے اس کی پسند کے چند جوڑے نہیں دلا سکتا؟ کیوں وہ اپنی خواہشات پوری کرنے کے لیے ساری زندگی میکے والوں کی طرف دیکھتی رہے گی۔ جب میں ساری زندگی کے لیے اس کی ذمہ داری اٹھانے کا عہد کر رہا ہوں تو پھر یہ کسی اور کی طرف کیوں دیکھے۔ میں نے امی سے بھی کہہ رکھا ہے کہ سونیا کو ساتھ لے جا کر اس کی پسند کے زیور، کپڑے بنوائیں گی اور دو چار دن میں امی تمہاری طرف آنے بھی والی ہیں بلکہ میں نے تو ان سے کہا تھا کہ بیڈروم کے لیے فرنیچر اور ڈیکوریشن کے سلسلے میں بھی سونیا کی پسند ناپسند معلوم کر لیجیے گا۔ وہ سب چیزیں جو اس نے استعمال کرنا ہیں یا میرے ساتھ شیئر کرنا ہیں۔ اس میں اس کی پسند بھی شامل ہونا چاہیے لیکن افسوس مثنوی تم اتنے دن سے میرے ساتھ ہو پھر بھی مجھے نہیں سمجھ سکیں۔" اس کا غصہ آہستہ آہستہ افسوس میں ڈھلنے لگا۔

"سوری ضیاء، آئی ایم ریئلی سوری۔ آئندہ تمہیں کوئی شکایت نہیں ہوگی۔" مثنوی نے اس سے معذرت کرتے

کے ساتھ ساتھ وعدہ بھی کیا تو آہستہ آہستہ اس کا موڈ بحال ہونے لگا۔

"ویسے تم سا گاؤدی بھی میں نے کہیں نہیں دیکھا جس کی ہونے والی نصف بہتر سامنے بیٹھی ہو اور وہ بجائے اس پر توجہ دینے کے "مسائلِ جہیز" اور "معاشرہ سدھار" جیسے موضوعات پر تقریریں کررہا ہو۔" ضیاء کا مزاج معمول پر آتے دیکھ کر فنون نے اسے چھیڑا۔

"اتنا احمق نہیں ہوں کہ نصف بہتر کے لیے جذبات کا اظہار بھرے مجمع میں بیٹھ کر کروں۔ وہ سب میں نے مناسب وقت کے لیے اٹھا رکھا ہے۔" وہ مسکرایا تو اس کی نظر خاموش اور حیران سی بیٹھی سونیا کی نظر سے جا ملی۔ سونیا نے گھبرا کر نظر جھکالی۔ نظروں کے معمولی تصادم نے اس کے رخساروں پر سرخی دوڑادی تھی۔

"کیا کہا آپ نے۔ ہم دو نازک سی لڑکیاں آپ کو مجمع دکھائی دیتی ہیں۔ اپنی آنکھوں کا علاج کرائیں۔" عرشی نے ایک نیا جھگڑا شروع کردیا اور یوں ہی لڑتے جھگڑتے ہنستے بولتے جب وہ لوگ وہاں سے نکلے تو دلوں میں بھرپور اطمینان تھا۔

"یہ تو بہت اچھے ہیں ورنہ یاسر بھائی کو دیکھ کر تو لگتا تھا کہ شاید داماد ہوتے ہی سسرال والوں کو نوچنے کھسوٹنے کے لیے ہیں۔" ان لوگوں کے رخصت ہوتے ہی سونیا نے اپنی رائے کا اظہار کیا۔

"اپنی تقدیر پر شکر کرو اور اسریٰ آپی کے لیے دعا کرو کہ اللہ ان کی آزمائش کی یہ گھڑیاں جلد از جلد ختم کرے اور یاسر بھائی کو عقل دے کہ وہ برے بھلے کا فرق جان سکیں۔" جہاں وہ سونیا کی طرف سے بے حد مطمئن تھی وہیں اسریٰ آپی کے لیے بے حد تشویش کا شکار۔ خوشی کی گھڑیوں میں ان کی تکلیفوں کا خیال خوشی کو ماند کررہا تھا۔

☆ ☆ ☆

"کیا سونیا کی شادی ہورہی ہے؟ یہ تو بڑی خوشی کی بات ہے۔" اسریٰ کی خوشی کا اظہار بہت بے ساختہ تھا۔

"یہ اتنی اچانک رشتہ کہاں سے نکل آیا۔ ابھی پرسوں شادی بھی اتنی جلدی۔" اسریٰ کی ساس مشکوک تھیں۔

"معقول ہے ساتھ نوکری کرتا ہے۔ بڑا بیٹا ہے ماں باپ کی خواہش تھی کہ جلد سے جلد شادی کردیں پھر کوئی مطالبہ بھی نہیں تھا ان کی طرف سے اس لیے ہم نے بھی بھجوایا۔" اماں نے اطمینان سے بتایا۔

"ہنہ۔ جو دیتا ہے اپنی ہی بیٹی کو دیتا ہے۔ کون سا سسرال والے حصے دار بن جاتے ہیں۔" اماں کی بات سے ان پر بجلی پڑی۔ سو فوراً ہی تنگ کر بولیں اور پھر پینترا بدل کر حملہ کیا۔

"بڑی کو چھوڑ کر چھوٹی کو کیوں پسند کرلیا ان لوگوں نے۔ بڑی بیٹھی ہو اور چھوٹی کی شادی ہوجائے یہ تو کوئی اچھی بات نہیں۔"

"جب اس کا وقت آئے گا تو اس کی بھی ہوجائے گی۔ یہ تو ساری نصیب کی بات ہے۔" اماں بھی جیسے ان کے ہر سوال کے لیے تیار ہو کر آئی تھیں۔

"ارے بیٹا! یاسر! سنا تم نے۔ دیکھو تمہاری ساس اور سالی آئی ہیں سونیا کی شادی کا کارڈ دینے۔" یاسر کے سامنے سے گزرا تھا جبھی دروازے سے اسے جاتے دیکھ کر انہوں نے پکارا۔

"سونیا کی شادی۔ اچانک۔ وہ بھی ہم سے کوئی رائے مشورہ لیے بغیر۔" وہ فوراً ہی ماں کی پکار پر اندر آیا تھا۔ بنا سلام دعا کے شروع ہوگیا۔

"یہ تو آنٹی آپ لوگوں کی زیادتی ہے۔ بڑا داماد ہونے کے ناتے میرا حق تھا کہ آپ مجھ سے مشورہ لیتیں یا کم از کم اطلاع تو دے دیتیں۔ یوں اچانک شادی کارڈ دے کر آجانے کا مطلب تو یہ ہے کہ آپ ہمیں غیر سمجھتی ہیں۔" وہ بری طرح بھڑک رہا تھا۔

"نہیں بیٹا! ایسی کوئی بات نہیں۔ یہ سب تو بالکل اچانک ہی ہوگیا۔ وہ لوگ تو صرف سونیا کو دیکھنے آئے تھے مگر تاریخ ہی پکی کرکے چلے گئے۔ اچھا رشتہ تھا اس لیے ہم نے دیر مناسب نہیں سمجھی۔ فون پر تم لوگوں سے کوئی رابطہ نہیں ہوتا اور اب وقت تھوڑا ہے۔ اس لیے تمہارے ابا نے کہا یاسر گھر کا بچہ ہے سسرال والے بھی اپنے ہی لوگ ہیں۔ ایک بار رشتہ طے ہوتے ہی اطلاع دے چکی اور پھر دعوت دینے دوبارہ۔ اس لیے اچھا ہے کہ ایک ساتھ ہی دونوں کام نمٹا دو۔ رہی تمہارے مشورے کی بات تو اگلے اتوار کو اسریٰ کو لے کر آجاؤ ہم ضیاء کو بھی بلوالیں گے۔ تم دونوں ملاقات کرلینا۔ اتنا اچھا لڑکا ہے وہ کہ تم بھی پسند کیے بغیر نہیں رہو گے۔" اماں کو یاسر کے اعتراضات کا اندازہ تھا اس لیے بہت دھیمے انداز میں اسے سمجھا رہی تھیں۔

"خیر! ملا ملا دیا کیا۔ فیصلہ تو آپ لوگ کرہی چکے ہیں۔ جیسے غیروں کی طرح کارڈ دے کر آپ ہمارے گھر آگئی ہیں ہم بھی غیروں کی طرح کھڑے کھڑے شادی میں شرکت کرلیں گے۔" وہ اپنا فیصلہ سنا کر کمرے سے باہر نکل گیا۔ وہ لوگ ہکا بکا بیٹھی ایک دوسرے کی صورت دیکھ رہی تھیں کہ چھوٹے بچے کے رونے کی آواز سنائی دی۔

"مر اٹھ گئی۔" اسریٰ چونک کر کھڑی ہوگئی۔

"تمہاری بچی کو تو بچی بھی سنبھالنا نہیں آتی۔ آج صبح سے بچی نے ریں ریں لگا رکھی ہے۔ جانے کیا تکلیف ہے۔" اسریٰ کی ساس نے طعنہ دیا۔

"میں دیکھتی ہوں۔" اماں تڑپ کر کھڑی ہوگئیں۔ فنون بھی ان کے ساتھ ہی تھی۔

"کیا ہوا اسریٰ! اپنی اتنا بلک بلک کر کیوں رو رہی ہے؟"

"پتہ نہیں اماں!" اسریٰ نے بچی کے منہ میں پانی کی بوتل دینے کی کوشش کرتے ہوئے آہستہ سے جواب دیا۔ بچی نے پانی کی ایک دو چسکیاں لینے کے بعد ہی بوتل منہ سے نکال دی تھی اور بری طرح رونے لگی تھی۔

"کیوں رلا رہی ہو میری بچی کو۔" یاسر اسریٰ پر بگڑتا اندر آیا اور بچی کو گود میں اٹھالیا۔

"میری گڑیا۔ میری شہزادی۔ اپنے بابا کو یاد کررہی تھی۔ میری ننھی گڑیا ہے۔ میں اپنے بابا کے ساتھ کھیلے گی۔" بچی کو بانہوں میں جھلاتے ہوئے چپ کروانے کی کوشش کررہا تھا لیکن وہ بدستور رو رہی تھی۔

"غالباً بھوکی ہے۔ پیار سے پیٹ نہیں بھرتا اسے دودھ چاہیے۔ کب سے پانی پلا پلا کر بہلا رہی ہو آخر بچی کب تک صبر کرے گی؟" اسریٰ نے تھکے سے لہجے میں کہا۔

"کس نے کہا ہے تم سے یہ ظلم کرنے کو۔ بچی کے لیے دودھ لے کر کیوں نہیں آئیں۔"

"دودھ فریج میں ہے اور فریج کو ناصر کی بیوی تالا لگا کر گئی ہے۔"

"کیوں ہمیں کا باپ دودھ لے کر آتا ہے ہمارے گھر۔" وہ طیش میں آگیا۔

"وہ بھی یہی کہتی ہے کہ کیا مرکا باپ دودھ لے کر آتا ہے جو مرکھی کھڑی ہے۔ اس کے میاں کی کمائی ہے وہ کیوں ہر ایک کو اس پر عیش کرنے دے۔" اسریٰ کے جواب نے یاسر کو بالکل خاموش کردیا۔

"تم پکڑو اسے میں ابھی دودھ لے کر آیا۔" تھوڑی دیر پہلے کا مشتعل لہجہ پست ہوگیا تھا۔

"یہ سب کیا ہے آپی؟" اماں اور فنون کب سے یہ تماشہ دیکھ رہی تھیں۔ اماں تو اب بھی مارے صدمے کے کچھ نہ کہہ سکیں۔ فنون ہی نے زبان کھولی۔

"اب حالات پہلے سے بھی بدتر ہوگئے ہیں فنون! پہلے اکیلی ساس تھیں اب ناصر کی بیوی بھی ہے جو اپنے میاں کی کمائی پر اپنے سوا کسی کا حق نہیں سمجھتی۔ اس نے صاف کہہ دیا ہے کہ ہم نے مفت خوروں کو پالنے کا ٹھیکا نہیں اٹھا رکھا۔ زیور کا کہیں جاتی ہے کہ یاسر پہلے ہی لٹا چکے ہیں۔ وہ بیچارہ چھوٹی موٹی چیزیں بیچ کر انہیں ہاتھ بازار کرتے دنوں سے گزارا ہورہا تھا۔ اب اس میں سے بھی کچھ نہیں بچا۔" بہت ضبط کی کوشش میں بھی آنسو بہہ نکلے تھے۔

"آپ نے مجھ سے تو کہا ہوتا۔ ایسی بھی کیا غیریت کہ نوبت فاقوں تک آپہنچی اور آپ نے ہمیں خبر ہی نہیں دی۔" فنون بے حد دکھی ہورہی تھی۔

"نہیں فنون! نہیں۔ آخر کب تک تم لوگ مجھے بھرتے رہو گے۔ یوں بھی میں اب یاسر کی ذہنیت کو آخری حد تک آزمانا چاہتی ہوں۔ مجھے بہت پیار کرتے ہیں۔ ابھی دیکھا نہیں کہ اس کے رونے پر کس بری طرح بے تاب ہوگئے تھے۔ میں جانتی ہوں معصوم کی تکلیف وہ کاری ضرب ہے جو ان کو کچھ کرنے پر مجبور کرسکتی ہے اور اگر وہ اس امتحان میں بھی ناکام ہوگئے تو میں خود کو اور اپنی بچی کو فاقوں سے مرنے کے لیے یہاں نہیں چھوڑوں گی۔ میں یاسر سے اپنے راستے جدا کرلوں گی۔ اگر اماں ابا مجھے رکھنے کو تیار ہوگئے تو ٹھیک نہیں مگر اماں کے پاس چھوڑ کر خود کوئی نوکری کرلوں گی۔ یہاں پر کم از کم یہ تو نہیں کرسکتی کہ میرے پیچھے کوئی میری بچی کو سنبھالنے والا بھی نہیں ہوگا اور اگر ماں باپ کا در بھی بند ملا تو شہر میں بہت یتیم خانے اور دارالامان ہیں۔ کہیں نہ کہیں تو ہم ماں بیٹی کو پناہ مل ہی جائے گی۔"

وہ اس عرصے میں جانے کتنی تکلیفوں سے گزری تھی کہ لہجہ زخم زخم ہورہا تھا۔ اماں بیٹی کی کیفیت پر تڑپ اٹھیں۔

"نہیں کرے گی میری بچی! بس کہ میرا کلیجہ پھٹ جائے گا۔ ہم نے تجھے سسرال میں ہر حال میں نباہ کرنے کا درس دیا۔ ہم معاشرے کے طعنوں سے ڈرتے تھے ہمیں خدشہ تھا کہ تو

میکے لوٹ آئی تو تیری باقی بہنوں کا کیا ہوگا لیکن ہم اتنے سخت دل بھی نہیں کہ تجھے اور تیری اولاد کو یوں زندہ در گور ہوتے دیکھ سکیں۔ بس اب ایک پل میں تجھے یہاں نہیں چھوڑوں گی۔ اٹھو' اپنا سامان سمیٹ۔" اماں جوش میں آگئی تھیں۔

"نہیں' اسریٰ اور مہر کہیں نہیں جائیں گی۔" اچانک ہی یاسر لوٹ آیا۔

"کیوں نہیں جائیں گی تو کیا اس دوزخ میں جلتی رہیں گی۔" اماں نے زندگی میں پہلی بار داماد کو یوں جواب دیا تھا۔

"نہیں آنٹی مجھے اپنی غلطی کا احساس ہو گیا ہے۔ آپ ماں ہیں' میری کیفیت کو سمجھ سکتی ہیں۔ جیسے آپ اپنی اولاد کی تکلیف پر تڑپ رہی ہیں' ویسے ہی میں بھی اپنی بچی کو بھوک سے بلکتے دیکھ کر ہوش میں آگیا ہوں۔" وہ اعتراف کر رہا تھا اپنی کوتاہیوں کا۔ اسریٰ ان سب سے لاپروا یاسر کے لائے خشک دودھ کے ڈبے کو کھول کر مہر کے لیے دودھ بنا رہی تھی۔

"آپ کو اپنی غلطی کا احساس ہو گیا' یہ بہت اچھی بات ہے لیکن فی الحال ہم اسریٰ آپی کو اپنے ساتھ لے کر جائیں گے کیونکہ انہیں اور مہر کو زیادہ دیکھ بھال کی ضرورت ہے۔ سونیا کی شادی تک آپ کوئی نوکری ڈھونڈ لیں۔ گھر کو چلانے کے لیے اشیائے ضرورت کا بندوبست کریں۔ ہم دونوں بہت کم دن رہ گئے کہ آپی سونیا کی شادی کے سلسلے میں ہمارے گھر رکی ہوئی ہیں۔ اس دوران آپ نے اگر ڈھنگ سے کوئی انتظام کر لیا تو ہم اسریٰ آپی کو آپ کے ساتھ واپس بھیج دیں گے بصورت دیگر آپی نے کیا فیصلہ کرنا ہے یہ آپ جان ہی چکے ہیں۔" عنوی نرم لیکن بہت واضح الفاظ میں یاسر کو آئندہ کا لائحہ عمل بتا رہی تھی۔

"میں اس دوران اسریٰ اور مہر سے ملنے تو آسکتا ہوں نا!" کچھ اولاد کی محبت نے اور کچھ سسرال والوں کے سخت انداز نے یاسر کے کس بل نکال دیے تھے۔ یہ وہ لوگ تھے جو ہمیشہ اس کی ناجائز فرمائشوں پر سر جھکاتے آئے تھے اور آج جب ایک حق بات کے لیے ڈٹ کر کھڑے ہوئے تھے تو یاسر کو ان سے آنکھ ملانا مشکل ہو رہا تھا۔

"ہم سب کو آپ کا انتظار رہے گا۔" عنوی نے مسکراتے ہوئے کہا۔ بہت دنوں بعد امید کی کوئی کرن جاگی تھی جسے وہ بجھنے نہیں دینا چاہتی تھی۔

☆ ☆ ☆

"عنوی! لاؤ یہ وہ کارڈز تو لکھ دو۔ ایک اپنے پھپھا کے نام اور دوسرا عباس کے نام کا۔" ناشتے پر حسب معمول دیگر افراد خانہ کی روانگی کے باعث وہ اکیلی تھی۔ جیسے ہی اس نے چائے کا آخری سپ لیا' اماں دعوت نامے ہاتھ میں لے چلی آئیں۔

"پھپھا اور عباس کے الگ الگ کارڈز کیوں؟" اسے اچنبھا ہوا۔

"تم اپنے کاموں میں مصروف' تمہیں کیا خبر' عباس تو کب کا ماں باپ سے الگ ہو گیا۔ جب سے ہمارے تمہاری پھپھو سے تعلقات استوار ہوئے ہیں' عباس کی بیوی نے واویلا مچا رکھا ہے۔ تنگ آکر تمہاری پھپھو نے عباس سے کہا کہ وہ علیحدہ گھر لے لے۔ کم از کم روز روز کی کل کل سے تو نجات ملے۔"

"تو یہ ہے تمہاری حقیقت عباس! مجھ سے چھپ چھپ کر عشق کے دعوے کرتے ہو اور بیوی کی مرضی پر دم ہلاتے پھرتے ہو۔" شادی کارڈ پر نام لکھتے وہ سوچ رہی تھی۔

"اماں! مہر کے لیے دال چاول بنا رہی ہوں' جلدی فارغ ہو جاؤں گی پھر میں اور آپ چلیں گے کارڈز بانٹنے۔" اسریٰ مہر کو گود میں لیے وہاں چلی آئی۔

"ٹھیک ہے۔" اماں نے اس کی تجویز سے اتفاق کیا۔

"اچھا بھئی' میں چلتی ہوں۔ اللہ حافظ۔" اماں اور اسریٰ آپی کو مصروف چھوڑ کر وہ باہر نکلی۔ دروازہ کھولتے ہی اس کی نظر دہلیز پر پڑے ایک لفافے پر پڑی۔ اس نے جھک کر لفافہ اٹھایا۔ بغیر کسی نام کے خوشبوؤں میں بسا یہ لفافہ اسے حیرت میں مبتلا کر رہا تھا جو شاید کسی نے دروازے میں موجود درز سے اندر ڈالا تھا۔ عنوی نے وہیں کھڑے کھڑے لفافہ چاک کر لیا۔

کب تک آخر ہم سے اپنے دل کا بھید چھپاؤ گی
تمہیں راہ… اک دن آنا ہے' تم راہ پہ آہی جاؤ گی

اے ہرنی جیسی آنکھوں والی لڑکی!

میں تمہاری راہوں میں کتنے روز سے کھڑا ہوں اور تم ہو کہ ایک نظر بھی مجھ پر ڈالنا گوارا نہیں کرتیں۔ آخر تمہاری بے رخی کب تک سہوں۔ اگر دنیا سے ڈرتی ہو تو بے فکر ہو جاؤ میرے بازوؤں میں بہت دم ہے۔ سارے دنیا والے دم دبا کر بھاگ جائیں گے بس تم ایک بار کہہ دو کہ تم میری ہو پھر دیکھنا کیسے عیش کرواتا ہوں تمہیں۔ جو

فرمائش کرو گی' پوری کروں گا۔ بس تمہارے اشارے کی دیر ہے۔ رانی اب مزید نہ تڑپاؤ۔ اب تو یار دوست بھی میرا مذاق اڑانے لگے ہیں۔"

فقط

تمہارا دیوانہ

خط میں لکھا ہر جملہ' لکھنے والے کی ذہنی سطح اور آوارہ مزاجی کا پتہ دے رہا تھا۔ عنوی کو تشویش نے گھیر لیا۔ طولی' منی' ہدی' تینوں میں سے جانے کس کے نام یہ پیغام تھا جو اس کے ہاتھ لگ گیا تھا۔ اس نے ایک بار پھر خط کے الفاظ کو دیکھا۔

"کم از کم میری کوئی بہن خود سے اس شخص کے ساتھ انوالو نہیں۔ جب دیکھے گا کہ اس کو کوئی رسپانس نہیں مل رہا تو خود ہی پیچھے ہٹ جائے گا۔" وہ خود کو تسلیاں دینے لگی اور لفافے سمیت خط پھاڑ کر ڈسٹ بن میں ڈال دیا۔

"لیکن میں اس خط کی حقیقت جاننے کی کوشش ضرور کروں گی۔"

وہ سوچوں میں الجھی گھر سے باہر نکل گئی اور آنے والے دنوں میں اسے اس بارے میں سوچنے کی بھی مہلت نہیں ملی تھی۔ اخبار کی ذمہ داریاں اور ساتھ میں شادی کا بکھیڑا۔ اگرچہ ضیاء کی طرف سے سارا کام بڑی خوبی سے ہو رہا تھا پھر بھی بے شمار کام نکلتے چلے آرہے تھے۔ ایسے میں اس خط کا ذہن سے نکل جانا کوئی انوکھی بات نہیں تھی۔

☆ ☆ ☆

"ہیلو ضیاء! ہاں تم سے ضروری کام تھا اس لیے فون کیا ہے۔" بہت عجلت میں کام نمٹاتے وہ کافی دیر سے ضیاء کو کانٹیکٹ کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔ چنانچہ جیسے ہی رابطہ ہوا' جلدی سے بولی۔

"شرم تو نہیں آتی نا تم کو ایک دن کے دولہا سے کام کرواتے۔" دوسری طرف سے ضیاء کی بہت فریش آواز سنائی دی۔

"دولہا کو مارو گولی اور مجھے یہ بتاؤ کہ جلالی صاحب کے انٹرویو کے ساتھ جو فوٹوگرافس لگنے ہیں' وہ کہاں ہیں؟" وہ واقعی بے حد مصروف تھی' سو اس کی لن ترانیوں پر قدرے جھنجلا کر پوچھا۔

"مجھے کیا معلوم عنوی بی بی! میں نے تو پچھلے تین دن سے آفس میں قدم نہیں رکھا۔"

"ضیاء! تنگ مت کرو' تمہیں معلوم ہے میں بہت جلدی میں ہوں۔ گھر واپس جاکر بھی بہت کچھ دیکھنا ہے۔ ہم لوگ تمہارے ولیمے پر پہنچنے میں لیٹ ہو جائیں گے تو پھر شکوہ مت کرنا۔"

ضیاء کے انداز سے وہ سمجھ گئی تھی کہ وہ صرف اور صرف اسے تنگ کرنے کے لیے لاعلمی کا اظہار کر رہا ہے۔

"ایک شرط پر بتاؤں گا؟"

"بولو۔" دوست ہونے کے ساتھ ساتھ قریبی رشتے داری کا بھی مان تھا وہ ضیاء سے یوں بے تکلفی برت رہی تھی۔

"مان لو کہ میرے علاوہ تم لوگ کچھ نہیں کر سکتے۔"

"بالکل مان لیا۔ ویسے بھی میں نے پہلے بھی کب انکار کیا ہے۔" وہ صلح جو انداز میں بولی۔

"وہ جو تمہارے سامنے تمہاری دوست سمیرا بیٹھی ہے اسے بھی اس مثالی بیان میں شامل کرو۔" "ایک نئی شرط۔"

"سمیرا ٹھیک کہتی ہے ضیاء تم سب کو بلیک میل کرتے ہو۔" وہ قدرے ناراض لہجے میں بولی تو ضیاء قہقہہ لگا کر ہنس پڑا۔

"آج دوپہر کو اس بات کی سمجھ آئی ہے کہ تمہیں یاد آجائے کہ میں اپنی ٹیبل کی تمام درازوں کی چابیاں تمہارے حوالے کر کے آیا ہوں اور تم چاہو تو خود بھی تھوڑی سی زحمت کر کے اپنی مطلوبہ شے تک پہنچ سکتی ہو۔" بالآخر وہ سنجیدہ ہو گیا۔

"اوہ سوری۔ مجھے بالکل یاد نہیں رہا۔" خود کو دل ہی دل میں کوستے اس نے ضیاء سے معذرت کی اور پھر فون بند کر کے اپنی مطلوبہ شے کی تلاش کے ساتھ ساتھ سمیرا کو بھی طلب کیا۔

"آرہی ہوں مادام! ابھی۔"

"ٹھیک کو رہی۔ چاہے اس ملن سے کتنی بھی لڑائیاں ہوں' فنکشن تمہیں نہیں چھوڑنا۔" سمیرا کا بات کرنے کا اپنا انداز تھا۔ عنوی نے مسکراتے ہوئے تصویروں کا لفافہ نکالا اور کام میں منہمک ہو گئی۔

ضیاء کی غیر موجودگی میں کام کا بوجھ کافی بڑھ گیا تھا۔ عنوی کو آفس سے نکلتے نکلتے کافی وقت لگ گیا چنانچہ گھر پہنچ کر آرام کرنے کا کوئی موقع نہیں ملا اور وہ جلدی جلدی تیار ہو کر سب کے ساتھ روانہ ہو گئی۔

"اخبار والوں کو لیٹ نہیں ہونا چاہیے ورنہ بہت سے اہم واقعات رپورٹ ہونے سے رہ جاتے ہیں۔" ضیاء نے

اسے چھوڑا۔ ڈارک بلو تھری پیس سوٹ میں وہ بہت اسمارٹ لگ رہا تھا۔

"تمہارا ویسے اتنا اہم وقت نہیں کہ اس کی کوریج مجھ جیسے لوگ کلاس صحافی کریں۔" اسے دو بدو جواب دیتی وہ اندر چلی گئی۔ ساری رات میں ضیاء کی طرف سے چیدہ چیدہ افراد ہی آئے تھے لیکن آج کا فنکشن نسبتاً بڑے پیمانے پر ارینج کیا گیا تھا۔ طوبیٰ اپنی بہنوں کے ساتھ سونیا سے ملنے اسٹیج کی طرف بڑھ گئی۔ آسمانی کلر کے غرارے میں وہ بے حد پیاری لگ رہی تھی۔ فوٹو گرافر اس کے کلوز اپ بنا رہا تھا۔ اسے ڈسٹرب نہ کرنے کے خیال سے وہ لوگ اسٹیج سے پیچھے ہی رک گئیں۔

"طوبیٰ ضیاء اور سونیا کے لیے جو گفٹس لے تھے کہاں ہیں؟"

"اوف۔ وہ تو گاڑی میں ہی رہ گئے۔" ممی نے آکر پوچھا تو طوبیٰ نے کہا۔

"ابھی لے کر آجاتی ہوں۔"

"نہیں تم رہنے دو۔ میں لے آتی ہوں۔" طوبیٰ کو روک کر وہ خود باہر کی طرف بڑھ گئی۔ اس بات سے بے خبر کہ اس کے تعاقب میں نگاہیں جمائے رکھنے والا شخص بھی پیچھے پیچھے ہی باہر آیا تھا۔

"تم۔" گاڑی سے مطلوبہ اشیاء نکال کر وہ پلٹی تو اسے سامنے پاکر حیرت سے صرف اتنا ہی کہہ سکی۔

"تمہیں میری طرف نگاہ ڈالنے کی فرصت نہیں اور مجھے تم سے نگاہ ہٹانے کی۔"

"تمہاری یہ باتیں مجھے بھی خوش نہیں کر سکتیں۔" اس نے منہ بنایا۔ اس پل پارکنگ میں ایک آلٹو داخل ہوئی۔

"تم کتنی کٹھور ہو طوبیٰ! میں آج بھی تم سے محبت کرتا ہوں اور اس محبت کے بدلے تم سے فقط تھوڑی سی توجہ کا ہی طلب گار ہوں۔"

"شٹ اپ عباس۔ تم نہ صرف اپنی بیوی کے ساتھ خیانت کر رہے ہو بلکہ اپنا وقت بھی برباد کر رہے ہو۔" اس نے وہاں سے جانے کے لیے قدم اٹھائے۔

"کچھ دیر تو رکو میں تمہیں اچھی طرح دیکھ تو لوں۔" نہایت جرأت سے کام لیتے اس نے طوبیٰ کی کلائی تھام کر اسے روکا۔

"اچھا تو یہ گلچھرے اڑائے جا رہے ہیں۔ مجھ کو فرصت نہیں ملتی دن رات بھتیجی کے گن گا کر میرا خون جلانے سے اور یہ پارسائی بی بی جن کے دلہے کو چھوڑ چھاڑ میرے میاں کو ورغلانے میں لگی ہیں۔ ابھی بلاتی ہوں سب کو تاکہ تمہارے "اصلی گن" کھل کر سب کے سامنے آئیں۔"

وہ جو عباس کی حرکت پر ہی سن ہو گئی تھی اس کی بیوی کو سامنے پاکر اور سب سے بڑھ کر اس کے عزائم جان کر سخت ہراساں ہونے لگی۔ حالت تو عباس کی بھی کم خراب نہیں تھی۔ بیوی سے چھپ چھپ کر ملنا اور بات تھی اور یوں رنگے ہاتھوں پکڑے جانا اور بات۔

"میرا دل چاہ رہا ہے تمہارا قتل کر دوں۔ عباس تو چلو مرد ہے لیکن تم ایک لڑکی ہوتے ہوئے میرے حق پر ڈاکہ ڈالنے کی کوشش کر رہی ہو۔ ویسے تو اخبار میں عورت کی حمایت میں بڑی بڑی باتیں لکھتی ہو اور خود اتنی گھٹیا اور ذلیل عورت ہو۔" عباس کی بیوی کسی خطرناک ارادے سے اس کی طرف بڑھ رہی تھی۔

اپنی سگی بہن کے ولیمے میں عزیز و اقارب کے سامنے بے عزت ہونے کے خیال سے ادھ موئی ہوتی طوبیٰ میں اپنا دفاع کرنے کی بھی جرأت نہیں تھی۔

"رک جائیں محترمہ۔" عباس کی بیوی کا ہاتھ طوبیٰ کے چہرے تک پہنچا ہی تھا کہ ایک آواز نے ان تینوں کو چونکایا۔ طوبیٰ نے نظر اٹھا کر سامنے موجود ہستی کو دیکھا اور اس کا دل چاہا کہ زمین میں سما جائے۔ اپنی اس قدر رسوائی کا اس نے کبھی تصور بھی نہیں کیا تھا۔

"میں بہت دیر سے یہاں ہونے والا تماشا دیکھ رہا ہوں اس لیے آپ کو یقین دہانی کرا سکتا ہوں کہ یہاں جو کچھ ہو رہا ہے اس کی ذمہ دار یہ لڑکی نہیں بلکہ آپ کے شوہر صاحب ہیں۔ آپ کو اگر گریبان پکڑنا ہے تو ان کا پکڑیں۔ جو پہلے ہی مظلوم ہو اس پر ظلم کر کے آپ کو کیا حاصل ہوگا۔" اس کی مخاطب عباس کی بیوی تھی۔

"اسے تو میں چھوڑوں گی نہیں۔ اس کے کرتوت خاندان بھر کو بتاؤں گی۔" اس نے دانت کچکچائے۔

"ضرور۔ کرتوت آپ اپنے شوہر کے بتائیں گی اور بدنامی اس لڑکی کے حصے میں آئے گی۔" وہ تھوڑا تلخ ہوا۔

"پلیز رابی! مجھے معاف کر دو۔ آئندہ ایسی غلطی کبھی نہیں کروں گا۔" حالات کی نزاکت کو محسوس کر کے عباس اپنی بیوی کے آگے گڑگڑانے لگا۔

"میں ابھی اور اسی وقت گھر جانا چاہتی ہوں۔" وہ خراب موڈ کے ساتھ آگے بڑھ گئی۔ عباس دم دبائے اس کے پیچھے پیچھے تھا۔

"اپنے آنسو صاف کریں۔" حسنین حیدر نے ٹشو پیپر اس کے ہاتھ میں تھمایا۔

"میں۔ میں۔ میرا کوئی قصور نہیں۔" اس کی ہدایت پر عمل کرنے کے بجائے نہ جانے کیوں وہ اسے وضاحت دینے لگی۔

"میں جانتا ہوں کہ آپ کا کوئی قصور نہیں اور اگر ہے بھی تو آپ کو کوئی فرق نہیں پڑنا چاہیے۔ کسی غیر متعلق شخص کے لیے خود کو ہلکان کرنا بے کار عمل ہے۔" دو ٹوک انداز میں کہہ کر آگے بڑھا اور پھر دو قدم ہی چل کر گردن موڑ کر اس سے بولا۔

"آنسو بہانے کے لیے نہ تو یہ جگہ مناسب ہے اور نہ موقع۔ اتفاق ہے اگر اب تک یہاں کوئی نہیں آیا تو اس کا مطلب نہیں کہ آئے گا بھی نہیں اور پھر شاید آپ کو ان آنسوؤں کی وضاحت دینا مشکل ہو جائے۔"

ایک عام مرد کی طرح اس نے اس کی کیفیت کا فائدہ اٹھا کر اپنی تسلی کے بجائے وہاں رکنے کی کوشش نہیں کی تھی بلکہ ایک عقل کی بات سمجھا کر آگے بڑھ گیا تھا۔

✿ ✿ ✿

"ضیاء! کہاں ہو تم؟ پلیز فوراً یہاں آجاؤ۔" کتنی کوششوں کے بعد اس کا ضیاء سے رابطہ ہو سکا تھا۔

"میں حسنین کے ساتھ ہوں لیکن تم کہاں ہو؟" ضیاء اس کی رندھی ہوئی آواز پر چونکا تھا۔

"میں ہاسپٹل میں ہوں طوبیٰ کے ساتھ۔ وہ بہت سیریس ہے۔ کسی نے اس پر تیزاب پھینک دیا ہے۔" طوبیٰ کی سنائی خبر ضیاء کے لیے بے حد شاکنگ تھی۔

"مجھے ہاسپٹل کا نام بتاؤ۔" ضیاء کے لہجے میں موجود پریشانی پر ڈرائیو کرتے حسنین نے رخ موڑ کر اس کی طرف دیکھا۔

"خیریت ہے؟ کس کا فون تھا؟"

"نہیں خیریت نہیں۔ طوبیٰ کا فون تھا۔ تم مجھے ہاسپٹل ڈراپ کر دو۔" ضیاء نے موبائل آف کرتے اس سے کہا اور پھر حادثے کے بارے میں بتانے لگا۔ لاہور سے شروع ہونے والے اچھے تعلقات اب ان کے مابین دوستی میں ڈھل چکے تھے۔ حسنین حیدر کی اپنے ہم مزاج و ہم خیال ضیاء سے گاڑھی چھننے لگی تھی اور آج وہ اصرار کر کے ضیاء کو اپنے ساتھ ایک ڈرامے کی ریہرسل دکھانے لے جا رہا تھا۔

"کیسے ہوا یہ سب کچھ؟" ہاسپٹل میں پریشان حال امی ابا بھی طوبیٰ کے ساتھ موجود تھے۔

"کچھ پتا نہیں۔ بس کچھ لوگوں نے آکر بتایا کہ دو لڑکے طوبیٰ پر تیزاب پھینک کر بھاگ گئے اور وہ گلی میں بے ہوش پڑی ہے۔ طوبیٰ بالکل اسی وقت گھر پہنچی تھی۔ ہم نے فوراً ایمبولینس بلوائی اور طوبیٰ کو لے کر یہاں آگئے۔ کب، کیوں اور کیسے خود ہمیں بھی خبر نہیں۔" جواب ابا نے دیا تھا جبکہ اماں تو مسلسل رونے اور دعائیں کرنے میں لگی ہوئی تھیں۔ طوبیٰ بھی نم آنکھوں کے ساتھ ایک طرف چپ چاپ کھڑی تھی۔ اس اچانک ہونے والے حادثے نے اس کو دماغ ماؤف کر دیا تھا۔ وہ بہن پر ہونے والے اس ظلم پر غم زدہ تھی۔ ابھی چند دن تو ہوئے تھے چمن کی چہکار سونیا کی رخصتی ہوئے۔ شادی اور یاسر بھائی کے بدلے ہوئے طرز عمل کے نتیجے میں اس گھر کی زندگی میں آنے والے سکون کی خوشی کو وہ ابھی پوری طرح محسوس بھی نہیں کر سکے تھے کہ اس حادثے نے ہلا کر رکھ دیا۔

"ٹھیک ہے حسنین! تم جاؤ۔ تمہاری ٹیم ریہرسل پر تمہارا انتظار کر رہی ہوگی۔" ضیاء نے چپ چاپ کھڑے حسنین سے کہا۔

"اگر کوئی ضرورت ہو تو میں رک جاتا ہوں ضیاء!" اس نے آفر کی۔

"نو تھینکس۔ میں دیکھ لوں گا سب۔"

"اوکے میں چلتا ہوں۔ گاڑی یہیں چھوڑ کر جا رہا ہوں۔ ہو سکتا ہے تمہیں ضرورت پڑ جائے۔ اپنے آفس فون کروں گا تمہاری گاڑی وہاں سے کوئی یہاں پہنچا دے گا اور میری لے جائے گا۔" وہ ضیاء سے ہاتھ ملا کر باہر نکل گیا۔

✿ ✿ ✿

"وہ لڑکا مجھے، سو دنوں سے تنگ کر رہا تھا۔ اکیڈمی آتے جاتے اکثر اپنے دوستوں کے ساتھ میرے راستے میں آکر کھڑا ہو جاتا۔ فقرے کستا ہے اور وہ گانے گاتا ہے ان

لڑکوں کا روزانہ کا معمول تھا لیکن میں نے کبھی پلٹ کر انہیں جواب نہیں دیا۔ میں سمجھتی تھی کہ میری خاموشی سے بیزار ہو کر وہ اپنی حرکتیں چھوڑ دیں گے لیکن ان لوگوں کی جرأت بڑھتی ہی چلی گئی۔ وہ گھر تک میرا پیچھا کرنے لگے پھر بات غلط جملوں تک پہنچی لیکن میں چپ چاپ برداشت کرتی رہی۔ اگر گھر میں ذکر کرتی تو اماں میرا اکیڈمی جانا بند کروا دیتیں۔ کل بھی اکیڈمی سے واپس آرہی تھی تو وہ لوگ میرے پیچھے لگ گئے اور اس لڑکے نے میرا ہاتھ پکڑ کر زبردستی مجھے اپنی بائیک پر بٹھانے کی کوشش کی تو مجھ سے برداشت نہیں ہوسکا اور میں نے اسے ایک زوردار تھپڑ دے مارا۔ مجھے تھپڑ مار کر وہ لوگ بائیک پر بیٹھ کر فوراً وہاں سے چلے گئے تھے۔ میں بھی گھر کی طرف آنے لگی۔ اپنی گلی تک پہنچی تھی کہ وہ ایک بار پھر بائیک پر آئے، ڈھکنا کھولا اور مجھ پر پھینکا۔ بس پھر تکلیف اور اذیت سے بے ہوش ہونے کے سوا مجھے کچھ یاد نہیں۔"

طوبیٰ پولیس والے کو اپنا بیان ریکارڈ کروا رہی تھی۔

"اچھا جناب! ہم چلیں گے۔ ان شاء اللہ جلد از جلد وہ لڑکے گرفتار کرلیے جائیں گے۔" بیان پر طوبیٰ کے دستخط لے کر پولیس انسپکٹر ضیاء سے ہاتھ ملاتے ہوئے بولا۔ ضیاء کی موجودگی کے باعث اس کا رویہ بہت شائستہ تھا۔ پولیس والوں کی مخصوص فطرت کے مطابق اس نے طوبیٰ سے کوئی بے ہودہ سوال نہیں کیا تھا۔

"تم ٹھیک ہوجاؤ گی گڑیا! تم پریشان مت ہو۔" ضیاء طوبیٰ کے سر پر ہاتھ پھیر کر باہر نکلا۔ فوزی بھی اس کے ساتھ ساتھ تھی۔

"ابھی گھر واپس جاکر سونا کو لے کر آؤں گا بلکہ ایسا کروں گا کہ اسے چند دنوں کے لیے گھر پر چھوڑ دوں گا۔ اماں اور تم مصروف رہو گے تو بڑی اور منی گھر پر اکیلی پریشان ہوتی رہیں گی۔"

ضیاء کل رات سے ہاسپٹل سے نہیں ہلا تھا۔ طوبیٰ کے ہوش میں آنے کے بعد آئی سی یو سے روم میں شفٹ ہونے تک کے یہ مراحل بہت دشوار تھے۔ خصوصاً پولیس والوں سے ذلیل کرنے کے خیال سے ہر شریف آدمی کی طرح بے حد گھبرا رہے تھے۔ یہ مشکل مرحلہ ضیاء کی موجودگی کی وجہ سے بخیر و خوبی انجام پا گیا تھا۔

"اسریٰ آپی کو خبر کی تھی تم نے؟"

"نہیں وہ بے چاری چھوٹی بچی کے ساتھ کہاں خوار ہوتی پھرتیں۔"

اس کے ساتھ چلتے ہاسپٹل کے لان کی طرف بڑھتے فوزی نے جواب دیا۔

"اماں کی سوچ کر میں نے سونا کو بھی نہیں بتایا کہ رات بھر پریشان رہے گی۔" وہ ایک بینچ پر بیٹھ گیا تھا۔ رات اپنے گھر واپس نہ آنے کی اطلاع دیتے ہوئے اس نے سونیا سے ٹی وی کے ایک ٹاک شو کی ریکارڈنگ کے لیے جانے کا بہانہ بنایا تھا۔

"تم مجھے بہت زیادہ چپ لگ رہی ہو۔" ضیاء جو رات سے اسے نوٹ کر رہا تھا اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔

"بس مجھے لگ رہا ہے کہ طوبیٰ کے ساتھ ہونے والے حادثے میں کہیں نہ کہیں میری بھی کوتاہی ہے۔ کاش میں ان چھوٹے چھوٹے واقعات کو معمولی نہ جانتی۔" وہ ضیاء کو تفصیلات بتانے لگی۔

"کوتاہی صرف تمہاری نہیں پورے معاشرے کی ہے۔ ایک اسلامی معاشرے میں عورت کو جو تحفظ حاصل ہونا چاہیے وہ اس سے محروم ہے۔ اکثر لڑکیاں صرف اس لیے حادثات کا شکار ہوجاتی ہیں کہ وہ اپنے ہی گھر والوں کو اپنے ساتھ باہر ہونے والے سلوک کے بارے میں نہیں بتا سکتیں۔ کیونکہ انہیں ڈر ہوتا ہے کہ اس صورت میں گھر والے ان کے ساتھ موجود مسئلے کو ختم کرنے کے بجائے خود انہیں پابند کردیں گے جیسا کہ طوبیٰ نے سوچا کہ اماں اس کے اکیڈمی جانے پر پابندی لگادیں گی اور اس کی پڑھائی کا حرج ہوگا۔ پھر ہمارے معاشرے کی بے حسی ہے۔ کتنے لوگ ہوں گے جو روزانہ ان لڑکوں کو طوبیٰ کو پریشان کرنے پر دیکھتے ہوں گے لیکن کسی نے کچھ نہیں کہا۔ ایسے معاملات میں سب اپنی اپنی فکر میں جتنا نظریں چرا لیتے ہیں۔ حالانکہ اگر اس وقت چند لوگ بھی اکٹھا ہو کر کھڑے ہوجائیں تو کیا ایسی صورتحال سے نمٹنا کچھ مشکل ہے۔ پھر کچھ قصور تربیت کا ہے۔ نہ جانے کیوں ہم اپنے بچوں کو دوسروں کی ماں بہن کی تعظیم کا سبق یاد نہیں کروا پاتے۔" وہ خود بے حد دکھی تھا۔

"میں گھر پہنچ کر صدیق ماموں اور اسریٰ وغیرہ کو اطلاع دیتا ہوں، بتانا تو بہرحال پڑے گا۔ یہ بات چھپنے والی تو لگتی نہیں۔"

کچھ دیر کی خاموشی کے بعد وہ تھکا تھکا سا بولتے ہوئے اٹھ کھڑا ہوا۔ اسریٰ نے بینچ پر بیٹھے بیٹھے آنکھیں موند

لیں۔ ضیاء کو بچانے میں اس سے کوئی غلطی نہیں ہوئی تھی۔ وہ فوزی سے بڑھ کر بھلا ثابت ہو رہا تھا۔

۞ ۞ ۞

"میں گھر نہیں جاؤں گی میں گھر نہیں جاؤں گی۔" زاروقطار روتی طوبیٰ کی زبان پر فقط ایک ہی فقرہ تھا۔

"وہاں جانا اور رہنا تو خود ہمارے لیے بھی عذاب بنتا جارہا ہے۔ لوگ یوں سوال جواب کرتے ہیں جیسے سارا قصور ہمارا ہو۔ لیکن کیا کریں، مجبوری ہے۔ اتنی جلدی کسی اور گھر کا بندوبست بھی نہیں ہوسکتا۔"

اماں اس سے زیادہ دل چھوڑے بیٹھی تھیں۔ طوبیٰ کے ساتھ ہونے والے حادثے نے ان سب پر خوف کا عالم طاری کردیا تھا۔ منی اور بڑی گھر سے باہر نکلتے ڈرتی تھیں۔ لڑکے کا گھرانہ ایک ناکردہ جرم کے بوجھ تلے جھکے جا رہے تھے۔ اسریٰ آپی اپنے سسرالیوں کے طعنوں کی لپیٹ میں تھیں۔ یاسر بھائی پہلے سے کافی سدھر گئے تھے لیکن ان جیسے شخص کی مکمل کایا پلٹ بھی ممکن نہیں تھی۔ اس واقعے کو انہوں نے اپنے حساب سے لیا تھا۔ اسریٰ آپی اور وہ صرف ایک بار ہاسپٹل میں طوبیٰ کو دیکھنے آئے تھے۔ اپنے گھر والوں کی حفاظت کا بہانہ بنا کر انہوں نے اسریٰ آپی کو میکے میں چھوڑنے سے انکار کردیا تھا البتہ سونیا اس دن سے مستقل چھوٹی بہنوں کے پاس رکی ہوئی تھی۔ ضیاء کے ساتھ ساتھ اس کے والدین بھی روشن خیال اور کھلے دل کے لوگ تھے جنہوں نے طوبیٰ کے ساتھ ہونے والے حادثے کو پوری ہمدردی کے ساتھ محسوس کیا تھا۔

"طوبیٰ گڑیا! اماں کو پریشان نہیں کرو۔ ہاسپٹل سے چھٹی مل گئی ہے۔ اگر گھر نہیں جاؤ گی تو پھر کہاں جاؤ گی۔ پر اس میں بہت جلد کوئی دوسرا گھر ڈھونڈ لوں گی۔" فوزی نے اس کے قریب آتے ہوئے اسے پیار سے سمجھایا۔

"آپی! مجھے ڈر لگ رہا ہے۔ بہت زیادہ ڈر۔" اس کے آنسو رکنے کا نام نہیں لے رہے تھے۔

"اب کیسا ڈر جان! تمہیں بتایا تھا ناں کہ ضیاء نے ان لڑکوں کو گرفتار کروا دیا ہے۔ اب تم دیکھنا وہ اپنے کیے کی کتنی سخت سزا بھگتیں گے۔" فوزی اس کے بالوں کو پیار سے سہلاتے سمجھا رہی تھی۔

"بھائی صاحب! میں چاہتا ہوں کہ آپ لوگ میرے گھر میں شفٹ ہوجائیں۔ مجھے تو یوں بھی تین دن بعد روانہ ہی ہوجانا ہے۔ اچھا ہے کہ بجائے گھر بند رہنے کے آپ لوگ وہاں رہ لیں۔ آپ کی پریشانی بھی دور ہوجائے گی اور میرے گھر کی حفاظت بھی ہوتی رہے گی۔" صدیق ماموں جو کافی دیر سے خاموش بیٹھے تھے 'ابا' کو مخاطب کرتے ہوئے بولے۔

"پھر آپ راضی ہیں ناں بھائی صاحب!" ابا کی خاموشی پر انہوں نے دوبارہ پوچھا تو ابا ایک گہرا سانس لے کر رہ گئے۔

"تمہاری بات نہیں مانوں گا صدیق تو کس کی مانوں گا۔ تم تو مجھ سے بھی زیادہ میری بچیوں کے مزاج آشنا ہو۔"

"فوزی بیٹا! ضیاء کو بتایا تھا کہ طوبیٰ کو آج ہاسپٹل سے ڈسچارج کررہے ہیں۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ لاعلمی میں یہاں ہی چلا آئے۔" معاملات کو طے پاتے دیکھ کر اس نے فوزی سے پوچھا۔

"جی انکل! انہیں معلوم ہے۔ آج انہیں کسی بہت ضروری کام سے جانا تھا اسی لیے میں نے انہیں کہہ دیا تھا کہ وہ پریشان نہ ہوں۔ ہم خود ہی کوئی بندوبست کرکے واپس گھر چلے جائیں گے۔"

"السلام علیکم۔" فوزی کی بات ابھی ختم ہی ہوئی تھی کہ شمس زوردار سلام کرکے کمرے میں داخل ہوا۔ جب سے طوبیٰ کے ساتھ یہ حادثہ پیش آیا تھا وہ بلاناغہ ہاسپٹل آرہا تھا۔ پھپھو اور پھوپھا بھی چند بار آئے تھے۔ عباس اور اس کی بیوی نے بھی ایک چکر لگایا تھا۔ اس کی بیوی نے چند شکوک بھرے سوال کرکے ان لوگوں کو پریشان بھی کرنا چاہا تھا لیکن شمس نے دخل اندازی کرکے اس کی زبان کو لگام دے دی تھی اور اب فوزی نوٹ کررہی تھی کہ شمس کی روز روز کی آمد کے پیچھے رشتہ داری کے سوا بھی کوئی اور جذبہ کارفرما تھا۔

"ہاسپٹل سے پروانۂ آزادی ملنے کی خوشی میں میری طرف سے یہ قبول کرو۔"

شمس نے ایک خوبصورت بکے طوبیٰ کے ہاتھ میں تھمایا تھا جسے اس نے بے نیازی سے ایک طرف ڈال دیا۔ فوزی اپنا دل مسوس کررہ گئی۔ وہ جانتی تھی کہ اس کی بہن پر جو بیتا ہے وہ اتنی جلدی نارمل زندگی کے احساسات و جذبات کو محسوس کرنے کے قابل نہیں ہوسکے گی۔

"ویسے میں تو سوچ رہا تھا کہ میں لیٹ ہوگیا ہوں اور آپ لوگ شاید اب تک ہاسپٹل سے نکل چکے ہوں جس

تو اتفاقاً میں یہاں آ گیا۔ اگر آپ لوگ موجود ہوتے تو گھر ڈراپ کر دوں گا۔" شمس جو طوبیٰ کے رد عمل پر لمحہ بھر کو شاکڈ ہوا تھا، سنبھل کر مخاطب ہوا۔

"ہاں بس نکلنے ہی والے تھے۔ بابا ہسپتال والے حساب کتاب چکا رہے ہیں۔ وہ ذرا کلیئر کر لیں تو نکل جائیں گے۔" تنوئی نے اسے طوبیٰ کی ماموں کے گھر روانگی کے فیصلے سے بھی آگاہ کیا۔

"یہ تو مناسب فیصلہ ہے۔" شمس نے سن کر تائید کی۔

"میں شفٹنگ میں آپ لوگوں کی ہیلپ کرواؤں گا اور بھی کوئی ضرورت ہو تو مجھ سے ضرور کہیے گا۔" طوبیٰ اور لالہ ماموں کے ساتھ ان کے گھر چلی گئی تھیں۔ شمس نے اسے اور ابا کو اپنی گاڑی میں گھر ڈراپ کرنے کی آفر کی۔

"ضرور۔" مجیبی کی تسلی سے خود اس کی ذات کو کتنی ہی تکلیف پہنچی ہو وہ شمس کے خلوص کو ٹھکرا نہیں سکتی تھی۔

☆ ☆ ☆

"حسنین ایک نئی ٹی وی سیریل پروڈیوس کر رہا ہے۔"

"یقیناً کہانی اور ڈائریکشن بھی ان کی اپنی ہوگی۔" ضیاء کی اطلاع پر اس نے اندازہ لگایا۔

"تم کورس، کسی دوسرے کے آئیڈیے پر اس نے کبھی کام نہیں کیا۔" ضیاء نے اس کے اندازے کی تصدیق کی۔

"آج اس کے ڈرامے کی شوٹنگ ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ تم سیٹ پر چلی جاؤ۔ فنکاروں سے ملو، چھوٹے چھوٹے انٹرویوز اور سیریل کے بارے میں انفارمیشنز لے لینا۔"

ضیاء کی ہدایت پر اس نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ اب اکثر جگہ وہ ضیاء کے بغیر بھی جانے لگی تھی۔ رفتہ رفتہ اس میں اعتماد پیدا ہو رہا تھا اور اس کے قدم اس فیلڈ میں جمتے جا رہے تھے۔ البتہ لیٹ نائٹ کسی پروگرام میں ضیاء اسے یا کسی بھی خاتون صحافی کو تنہا نہیں بھیجتا تھا۔ عموماً وہ خود یا کوئی دوسرا میل جرنلسٹ اس کام کو نمٹاتا تھا۔

"یار! جا رہی ہو تو ذرا حسنین حیدر کو میرا حال دل سنا دینا۔ کم بخت جتنا ذہین ہے اتنا ہی روکھا ہے۔ اس سے یہ تمہارے تنوئی صاحب ظالم سماج ہیں۔ کیا تھا جو مجھے اس اہم کام کے لیے بھیج دیتے۔ لیکن یہ شخص تو چاہتا ہی نہیں کہ میں کسی اسمارٹ بندے کو جا کر اپنے دل کی بات سنا سکوں۔" شام میں جب وہ آفس سے نکلنے لگی تھی سمیرا نے اپنے مخصوص انداز میں آہیں بھرتے ہوئے کہا۔

"تم بھی ناں سمیرا!" تنوئی ہنس پڑی۔ "یہ تو میں ہوں جسے تمہاری عادت کا اندازہ ہے ورنہ کوئی اور ہو تو شکایت کرنے لگ جائے۔"

"تو ڈیئر! مجھے بھی تمہاری فطرت کا اندازہ ہے جب ہی تمہارے سامنے ایسا مذاق کر لیتی ہوں۔" سمیرا اطمینان سے بولی تو تنوئی اس کے شانے پر ایک دھپ رسید کرتی آفس سے نکل گئی۔

رکشہ میں بیٹھ کر ضیاء کی بتائی ہوئی لوکیشن کی مطابق ایڈریس تلاش کرنے میں اسے تھوڑی مشکل پیش آئی تھی چنانچہ سیٹ پر پہنچنے میں قدرے تاخیر ہو گئی۔

"ضیاء نے مجھے آپ کے بارے میں انفارم کر دیا تھا آپ ایسا کریں کہ میرے اسسٹنٹ سے اسٹوری وغیرہ کے بارے میں ڈسکس کر لیں۔ فنکاروں میں سے بھی جو فارغ ملتا جائے اس سے بات چیت کر لیجیے گا۔ آخر میں کوئی وضاحت طلب بات ہوئی تو میں جواب دہی کے لیے حاضر ہوں گا۔"

سلام دعا کے مراحل سے گزر کر حسنین نے اس سے یہ چند جملے کہے اور پھر تنوئی نے دیکھا کہ وہ پورے انہماک سے اپنے کام میں مصروف ہو چکا تھا۔

"آپ کا اس ڈرامے میں کیا رول ہے؟" ایک مشہور اداکارہ سے اس نے اپنے سوالات کا آغاز کیا۔

"میں اس ڈرامے میں ایک مڈل کلاس فیملی کی لڑکی کا کردار ادا کر رہی ہوں، جسے معاشرے میں مختلف قسم کے رویوں، تنگی اور مسائل کا سامنا ہے۔" اس نے جواب دیا۔

"میں دیکھ رہی ہوں کہ آپ اس وقت اپنی نیچرل لکس کے ساتھ موجود ہیں۔ آج کل کے ٹرینڈ کے مطابق نہ بھاری بھر کم زیورات ہیں نہ قیمتی لباس، کپڑے اور زیور تو سی لیکن آج کل ٹھیک ٹھاک قسم کا میک اپ تو ہر قسم کا رول کرنے والی اداکارہ کا کیا جا رہا ہے۔ تو آپ کو یہ سب عجیب نہیں لگ رہا؟"

"نہیں، بلکہ مجھے تو خوشی ہو رہی ہے کہ مجھے کردار کو اس کی ڈیمانڈ کے مطابق کرنے کا موقع مل رہا ہے۔ کوئی

مصنوعی پن نہیں ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ حسنین حیدر کا کام اوروں سے مختلف ہے۔ وہ وہ نہیں بنا رہا جو آج کل 'ان' ہے بلکہ وہ بنا رہا ہے جو کہانی کی ڈیمانڈ ہے۔"

تنوئی نے سیٹ پر موجود بیشتر لوگوں سے بات کی اسے اسی طرح کی آراء سننے کو ملیں یہ سچ تھا کہ ترقی کی دوڑ میں کمانے کی لگن میں بھیڑ چال کا شکار ہو رہے تھے۔ لیکن اچھے معاوضے کے ساتھ اچھا کام کرنے میں وہ زیادہ خوش تھے۔ تنوئی نے دیکھا تھا کہ ڈرامے کی کہانی 'اداکاری کا معیار' منظر نامہ سب کچھ بہت عمدہ تھا یقیناً اسٹیج کے بعد اب ٹی وی کی دنیا میں بھی حسنین حیدر کچھ خاص کرنے جا رہا تھا۔

"آپ آخر میں، میں آپ سے کچھ سوالات کرنا چاہوں گی، حسنین صاحب!" بہت سارا وقت مختلف فنکاروں کے ساتھ گفت و شنید میں گزار کر وہ حسنین کے پاس چلی آئی۔

"ضرور، لیکن تھوڑی دیر رک جائیں۔" وہ پیک اپ کروا رہا تھا۔ تنوئی نے کچھ مضطرب ہو کر اپنی رسٹ واچ پر نگاہ ڈالی۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ سیٹ پر موجود لوگ بھی کم ہو چکے تھے۔ آرٹسٹس اپنے اپنے حصے کا کام نمٹا کر روانہ ہو گئے تھے اور اب وہاں زیادہ تر ٹیکنیکل اسٹاف اور اسپاٹ بوائے وغیرہ رہ گئے تھے۔

"ذرا آخری ٹیک اوکے کروا لوں، میں چلتا ہوں۔" حسنین حیدر نے اس کی پریشانی کو نوٹ کیا تھا اور ایک دم ہی اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

"چلیں، جو کچھ پوچھنا ہو راستے میں پوچھ لیجیے گا۔ میری ضیاء سے بات ہوئی تھی۔ اس نے مجھے ہدایت دی تھی کہ آپ کو گھر تک ڈراپ کر دوں ویسے بھی ہم دونوں کا راستہ ایک ہی ہے۔"

وہ ضیاء اور اسٹاف کے چند قابل اعتماد افراد کے سوا ابھی تنہا کسی کے ساتھ نہیں گئی تھی۔ اس لیے تھوڑا سا جھجک گئی۔ لیکن ضیاء کے حسنین پر اعتماد کرنے کا مطلب تھا کہ وہ بھی اس پر اعتبار کر سکتی ہے۔

"آپ تھیٹر سے یکدم ہی ٹی وی کی طرف کیسے آ گئے؟" اس کے ساتھ فرنٹ سیٹ پر بیٹھ کر اپنا اعتماد بحال کرنے میں تنوئی کو چند لمحے لگے تھے اور پھر وہ اپنے اصل مقصد کی طرف آ گئی تھی۔

"یکدم تو نہیں بہت سوچ سمجھ کر آیا ہوں۔ اصل میں تھیٹر ایک محدود چیز ہے 'دیکھنے بھی کوئی نہیں آتا جب کہ ٹیلی ویژن آج ہر گھر میں موجود ہے۔ کسی کونے کھدرے میں بیٹھ کر معاشرے کی برائیوں پر کڑھنے، چند دوستوں کے ساتھ تقریریں کرنے سے مسائل حل نہیں ہو سکتے۔ اس کے لیے کسی مضبوط ذریعہ ابلاغ کی ضرورت ہے اور آج کل ٹی وی سے بڑھ کر ابلاغ کا پاور فل میڈیم کوئی دوسرا نہیں ہے۔"

"تو کیا آپ کو لگتا ہے کہ آپ کا ڈرامہ مسائل کو حل کرے گا؟" اس کے لہجے میں [illegible] تھی۔

"پہلا مرحلہ تو مسائل کے ادراک کا ہے۔ ہمارے لوگ تو یہ ہی نہیں جانتے کہ انہیں کس قسم کے مسائل درپیش ہیں۔ مسائل اور حقائق پر مبنی سنجیدہ قسم کے ٹاک شوز وغیرہ دیکھنے کو غیر اہم جان کر لوگ صرف اور صرف انٹرٹینمنٹ میں مصروف ہیں۔ ایسے میں ڈرامہ ہی وہ واحد ذریعہ رہ جاتا ہے جس کے ذریعے ایک عام شخص کو ہلکے پھلکے انداز میں پیغام پہنچایا جائے۔ یقین کریں جب لوگ مسائل کو سمجھنے لگیں گے تو ان کے حل کے بارے میں بھی کوشاں ہوں گے۔ میں جانتا ہوں میں اپنے کام کے ذریعے معاشرے میں کوئی انقلاب برپا نہیں کر سکوں گا لیکن پھر بھی لوگوں میں احساس جگانے کی کوشش تو کی جا سکتی ہے۔"

سست رفتار گاڑی کی طرح اس کا لہجہ بھی بہت ہموار اور ٹھہرا ہوا تھا۔ جانے کیوں تنوئی کو اس کے لہجے کی گمبھیرتا نے اپنے حصار میں لینا شروع کر دیا اور ان دونوں کے درمیان چپ کی دیوار حائل ہو گئی۔

"آپ کی بہن کیسی ہیں اب؟" خاموشی کے ان لمحات میں حسنین حیدر کے سوال نے دراڑ ڈالی۔

"فزیکلی بہت حد تک زخم بھر گئے ہیں اس کے لیکن مینٹلی وہ اب بھی ڈسٹرب ہے۔ اکثر راتوں کو سوتے میں ڈر جاتی ہے۔ بول چال بھی بہت کم کر دی ہے۔ سب کے درمیان بیٹھنے اور بات کرنے سے گھبرانے لگی ہے۔" تنوئی نے دکھ سے بتایا۔

"ظاہر ہے جو کچھ اس پر بیتا ہے اسے بھلانے میں وقت تو لگے گا۔" حسنین نے مختصراً تبصرہ کیا۔

"میری سمجھ میں نہیں آتا کہ ہمارے معاشرے میں عورت پر ظلم کب بند ہو گا۔ کب تک وہ مردوں کی بربریت کا شکار ہوتی رہے گی۔" تنوئی جو سارا وقت گھر والوں کو حوصلہ دیتی تھی خود اپنے اندر کے شکوے بیان کرنے لگی۔

"ایک بات کہوں مثنوی! میں نے یہ جملہ بہت سنا ہے کہ عورت پر ظلم کرنے والا مرد ہے لیکن مجھے لگتا ہے حقیقت یہ ہے کہ ہمارے معاشرے میں مرد اور عورت دونوں ظلم کا شکار ہیں۔ اگر عورت پر تیزاب پھینکنے 'اسے جلانے' مارنے پیٹنے قتل کرنے جیسے ظلم ہوتے ہیں تو مرد کون سا محفوظ ہے۔ روز چلتے اغوا اور قتل جیسی واردات کا شکار بنتا خود شکار کرنا دونوں اس کی زندگی تباہ کر دیتے ہیں۔ ہمارا اصل مسئلہ مرد یا عورت نہیں "انسان" ہے۔ انسان جو تربیت کے مراحل سے گزرے بغیر ہی وحشی جانوروں کی طرح اس معاشرے میں پھیلتے جا رہے ہیں۔ اور موقع ملتے ہی ایک دوسرے کو چیر پھاڑ دیتے ہیں اس انسان کو مذہب اور قوم سے بالاتر ہو کر "احساس" کی دولت کی ضرورت ہے۔ اگر انسان کے اندر کی سچائی اور احساس بیدار ہو جائیں تو وہ کبھی وہ سب نہ کرے جس نے ہمارے معاشرے کو عدم تحفظ کا شکار بنا رکھا ہے۔"

"آپ کی سوچ بہت اچھی ہے۔" مثنوی نے متاثر ہو کر کہا۔

"ہاں! لیکن کبھی کبھی مجھے لگتا ہے میں جس دنیا کے خواب دیکھتا ہوں وہ بس میرے تصور میں ہی آباد ہو سکتی ہے۔" وہ اداسی سے مسکرایا۔

"اپنی تصوراتی دنیا کو قائم کرنا چاہے آپ کے بس میں نہ ہو مگر اس کو قائم کرنے کی جدوجہد کرنا تو آپ کے بس میں ہے نا!" مثنوی نے اسے تسلی دی۔

"یہ تو ہے۔" وہ کھل کر مسکرایا اور گاڑی ان کے گھر کے گیٹ کے سامنے لے جا کر روک دی۔

"آپ کے کتے کے بھونکنے کی آواز آ رہی ہے۔" گاڑی سے اترتے مثنوی نے بھوں بھوں کی آواز سن کر کہا۔

"ہاں وہ میری گاڑی کی آواز پہچانتا ہے۔" شمس کے لب خفیف سا مسکرائے۔ یقیناً اسے اپنی اور مثنوی کی پہلی ملاقات یاد آ گئی۔

☼ ☼ ☼

"طوبیٰ! یہاں اکیلی کیوں بیٹھی ہو۔ وہاں باہر سونیا، امبر، سرمی آپی اور پھپھو وغیرہ آئے ہوئے ہیں۔ ان کے ساتھ جا کر بیٹھو طبیعت بہل جائے گی۔" وہ کپڑے استری کرنے کے ارادے سے کمرے میں آئی تھی۔ بیڈ پر چپ چاپ اپنی ہتھیلیوں پر ٹھوڑی جمائے بیٹھی طوبیٰ کو دیکھ کر اس کے قریب چلی آئی۔

"میرا دل نہیں چاہ رہا آپی! میں یہیں ٹھیک ہوں۔" طوبیٰ کے انداز سے گریز نمایاں تھا۔

"زندگی اس طرح تو نہیں گزر سکتی جو عذاب سے کٹ گیا اور چھپ کر پھر تم کسی سے چھپی ہی کیوں؟ آخر تم نے کیا ہی کیا ہے جو تم لوگوں کا سامنا نہیں کر سکتیں۔" مثنوی نے اسے سمجھایا۔ جب سے طوبیٰ گھر سے واپس آئی تھی وہ "وقتاً فوقتاً" یہ کلام کرتی رہتی تھی۔ ماموں کا گھرانہ ان کے اپنے گھر کی نسبت کھلا ہوا تھا اور قرآن خانہ کو کمرے شیئر کرنے کی ضرورت نہیں تھی۔ لیکن مثنوی نے طوبیٰ کی ذہنی حالت کے پیش نظر اسے علیحدہ کمرے میں رکھنے کے بجائے اپنے ساتھ رکھا ہوا تھا۔

"میں نے کچھ نہیں کیا لیکن پھر بھی مجھے لگتا ہے کہ لوگوں کی نگاہیں مجھے مجرم قرار دے رہی ہوں۔ میرے اندر کسی کا سامنا کرنے کا حوصلہ ہی نہیں ہوتا۔" طوبیٰ نے اپنے لب کچلتے بے بسی سے کہا۔

"ہیلو لیڈیز! کیا ہو رہا ہے؟" مثنوی کچھ کہتی اس سے پہلے ہی دروازے پر دستک دیتے شمس اندر آ گیا۔

"بس طوبیٰ کو سمجھا رہی تھی کہ جو ہوا اسے بھول جائے۔" مثنوی کے کہنے پر شمس نے غور سے طوبیٰ کی طرف دیکھا۔ اداس، تھکا اور خوف زدہ لڑکی۔ جس کے ساتھ گزرے حادثے کی نشانی اس کی گردن پر پڑے بد نما داغ کی صورت میں بہت واضح تھی۔ تیزاب نے طوبیٰ کا دایاں کندھا اور گردن بری طرح متاثر کی تھی۔ البتہ چہرے پر چند چھینٹے آئے تھے۔ جس کے نشان ابھی تک موجود تھے۔ شمس نے دل ہی دل میں کوئی فیصلہ کرتے گلا صاف کیا۔

"جو بات میں اس وقت کرنے جا رہا ہوں وہ بہت عرصے سے میرے دل میں ہے لیکن میں نے کسی مناسب اور اچھے وقت کے لیے سنبھال کر رکھی تھی۔ مگر مجھے لگتا ہے کہ مجھے آج ہی یہ بات کر لینی چاہیے۔ مثنوی آپی! میں آپ کو گواہ بنا کر طوبیٰ کو ایک بات بتانا چاہتا ہوں اور وہ یہ کہ مجھے اس سے بے حد محبت ہے۔ آج سے نہیں بہت دنوں سے اور اگر یہ نارمل زندگی کی طرف نہیں لوٹی تو میرے لیے زندگی بے معنی ہو جائے گی۔ اب فیصلہ کرنا اس کا کام ہے کہ یہ اپنے ساتھ ساتھ میری زندگی بھی ایک معمولی

حادثے کی وجہ سے ضائع کرتی ہے یا مسکرا کر میری زندگی کو خوشیوں کا عنوان دیتی ہے۔"

شمس اپنی بات کہہ کر رکا نہیں تھا جب کہ طوبیٰ ہونق بنی منہ کھولے دروازے کی طرف دیکھ رہی تھی جہاں سے گزر کر شمس ابھی ابھی باہر نکلا تھا۔

"احمق! مسکراؤ۔ وہ تمہیں زندگی کا پیغام دے کر گیا ہے۔" مثنوی نے اسے جھنجھوڑا تو وہ بے ساختہ ہنستے ہوئے اس کے گلے سے لگ گئی۔

"مگر آپی! کیا پھوپھو مان جائیں گی؟" ایک خوف اس کی ہنسی پر حملہ کرنے آگے بڑھا تھا۔

"بالکل مان جائیں گی۔ کیونکہ ربیل بھابھی کے رویوں نے انہیں انسانوں کی پہچان خوب اچھی طرح سکھا دی ہے۔" شمس ایک بار پھر کمرے میں تھا۔

"تم گئے نہیں یہاں سے۔" مثنوی نے اسے گھورا۔

"جا ہی رہا تھا۔ لیکن کسی کی ہنسی نے پیروں میں زنجیر ڈال کر روک لیا۔"

اس نے شرارت سے طوبیٰ کی طرف دیکھا تو وہ جھینپ کر مثنوی کی آڑ میں چھپ گئی۔ اس کی اس ادا پر شمس اور مثنوی کا قہقہہ بے ساختہ تھا۔

☼ ☼ ☼

"مثنوی! اٹھو بیٹا! دیکھو تمہارے ابا کو کیا ہو رہا ہے؟" رات کو جانے کون سا پہر تھا جب اماں نے اس کا بازو جھنجھوڑتے ہوئے اسے جگایا۔ وہ بہت گہری نیند سے جاگی تھی لیکن پھر بھی اس کی ساری حسیات بیدار ہو گئیں اور وہ اماں کے ساتھ تقریباً دوڑتے ہوئے ان کے کمرے تک پہنچی۔ ابا سینے پر ہاتھ رکھے دوہرے ہوئے جا رہے تھے۔ پسینہ گویا ان کے ہر مسام سے پھوٹ رہا تھا۔

"ہارٹ اٹیک۔" اس کے ذہن میں فوری طور پر یہ لفظ گونجا۔

"ابا۔ ابا! کیا ہوا ابو کو؟" طوبیٰ جو اماں کے مثنوی کو بیدار کرنے کے عمل میں شاید جاگ گئی تھی ان لوگوں کے پیچھے پیچھے وہاں چلی آئی اور اب ابا کی حالت دیکھ کر اس کی چیخیں نکل رہی تھیں۔

"ریلیکس طوبیٰ! ریلیکس کچھ نہیں ہو گا ابا کو۔" مثنوی اسے دائیں بازو کے حصار میں لے کر بائیں ہاتھ سے موبائل پر ضیاء کا نمبر پش کر رہی تھی۔

"خیریت مثنوی! اتنی رات کو کیسے فون کیا؟" ضیاء نے موبائل کی اسکرین پر ابھرنے والے مثنوی کے نمبر کو دیکھ کر اس کے کچھ کہنے سے پہلے ہی تشویش سے پوچھا۔

"ضیاء! ابا کی طبیعت بہت خراب ہو رہی ہے انہیں فوری طور پر ہاسپٹل لے جانا ہو گا۔ اور میری سمجھ نہیں آ رہا کہ میں کیا کروں؟" وہ جو خود کو بہادر ظاہر کر رہی تھی یکدم ہی سسکنے لگی۔

"تم فکر مت کرو مثنوی! میں ابھی آ رہا ہوں۔" ضیاء فوراً ہی الرٹ ہو گیا تھا۔

"آپی! ابا کو کچھ ہو گا تو نہیں۔" طوبیٰ شدت سے روتے ہوئے اس سے لپٹی جا رہی تھی۔

"کچھ نہیں ہو گا ابا کو، تم حوصلہ کرو۔" مثنوی اسے تسلی دیتے ہوئے کمرے سے باہر لے گئی۔ ابا کی لمحہ بہ لمحہ بگڑتی حالت سے وہ مزید ذہنی اذیت میں ہو رہی تھی۔ پیچھے اماں، ابا کو سنبھالنے میں لگی ہوئی تھیں۔

"مثنوی! میں نے حسنین کو فون کر دیا ہے۔ وہ گاڑی نکال رہا ہے۔ تم ابا کو اس کے ساتھ ہاسپٹل لے جاؤ۔ میں بھی وہیں پہنچ رہا ہوں۔" صرف دو منٹ بعد ہی ضیاء نے اسے فون پر ہدایت دی تھی۔ یقیناً اس نے یہ قدم وقت کی اہمیت کو مد نظر رکھتے ہوئے اٹھایا تھا۔ مثنوی نے بھاگ کر بیرونی گیٹ کھولا۔ برابر والے گیٹ سے حسنین کی گاڑی باہر نکلی اور پھر وہ بہت تیزی سے گاڑی کا دروازہ کھول کر اس تک آیا۔

"اماں! آپ ان لوگوں کو سنبھالیں۔ میں حسنین کے ساتھ ابا کو ہاسپٹل لے جاتی ہوں۔"

طوبیٰ کی غیر ہوتی حالت کے پیش نظر اس نے اماں سے کہا تھا جب کہ حسنین اس دوران ابا کو بازوؤں میں اٹھا کر باہر کی طرف بڑھ گیا تھا۔ مثنوی بھی بھاگتے ہوئے اس کے پیچھے باہر نکلی۔ گاڑی کی پچھلی سیٹ پر ابا کا سر گود میں رکھے بیٹھی مثنوی کا روم روم دعا گو تھا۔ آنسو بہت تیزی سے آنکھوں سے بہہ رہے تھے۔ لیکن اسے خبر نہیں تھی۔ ہاسپٹل پہنچ کر ابا کو فوراً ایمرجنسی لے جایا گیا۔ لیکن وہ خود پر قابو نہیں کر پا رہی تھی۔ حسنین حیدر کو اس کے آنسو ڈسٹرب کر رہے تھے۔ ڈاکٹرز کی ہدایت کے مطابق بھاگ دوڑ کرتے بھی اس کا دھیان اسی کی طرف جا رہا تھا۔

"کیا حال ہے ابا کا؟" ضیاء بھی جلدی پہنچ گیا تھا۔

"ڈاکٹرز دیکھ رہے ہیں ان کا خیال ہے بہت شدید

اٹیک تھا لیکن بروقت ہاسپٹل پہنچنے کی وجہ سے یقیناً وہ سنبھل جائیں گے۔" جواب غنوی کے بجائے حسنین نے دیا تھا۔

"ٹھیک ہے حسنین! میں نے اسی لیے تمہیں کال کی تھی کہ وقت ضائع نہ ہونے پائے۔" ضیاء نے ممنونیت سے کہا۔

"تھینکس کی کوئی بات ہی نہیں عزیزی ہونے کی وجہ سے یہ میرا فرض تھا۔ بلکہ خود غنوی کو چاہیے تھا کہ تمہارے بجائے مجھے کال کرتی۔" اس نے ایک نظر اس کی طرف ڈالتے ہوئے کہا جو اب دوپٹے کے پلو سے اپنے آنسو خشک کر رہی تھی۔ یقیناً ضیاء کی آمد اور حسنین کے امید افزا جملوں نے اسے قدرے اطمینان دلایا تھا۔

"میں ڈاکٹر سے مل کر آتا ہوں۔" کچھ پل خاموشی سے سرکے اور پھر ضیاء اٹھ کھڑا ہوا۔

"میں نے ضیاء سے ہمیشہ آپ کی ہمت اور حوصلے کی تعریف سنی ہے لیکن عجیب اتفاق ہے کہ میں نے آپ کو اکثر اس کے برعکس ہی پایا ہے۔" بینچ پر قدرے فاصلے سے بیٹھی غنوی کی طرف دیکھتے اس نے کہا۔

"میں بہت عام سی لڑکی ہوں، میں نے کبھی بہادری کا دعوا نہیں کیا۔ لیکن میں حالات سے لڑنے کی کوشش کرتی ہوں، صرف اور صرف اپنے گھر والوں کی خاطر اور جب ان ہی لوگوں کی عزت یا جان خطرے میں دکھائی دے تو مجھ سے برداشت نہیں ہوتا۔" اس نے بہت سادگی سے اپنی مجبوری بیان کی۔

حسنین خاموشی سے اسے دیکھنے لگا۔ دونوں ہاتھوں کی انگلیاں آپس میں پھنسا کر ٹھوڑی پر رکھے وہ یقیناً زیر لب دعاؤں میں مصروف تھی۔

"میری بات ہوئی ہے۔ ڈاکٹرز کہہ رہے ہیں کہ ابا اب خطرے سے باہر ہیں۔" تھوڑی ہی دیر میں ضیاء واپس لوٹ آیا۔

"حسنین بیا! اب تم گھر جاؤ۔ مجھے معلوم ہے کہ آج کل تم بہت بزی ہو۔ جا کر تھوڑی دیر ریسٹ کر لو۔ یہاں پر اب میں موجود ہوں۔ صبح یاسر بھائی اور شمس وغیرہ کو کال کر کے بلا لوں گا۔" ضیاء نے اصرار کیا تو وہ اٹھ کھڑا ہوا۔

"جب بھی ضرورت پڑے مجھے کال کر لینا، کسی تکلف کی ضرورت نہیں۔"

ضیاء سے ہاتھ ملاتے اس نے زور دے کر کہا اور واپسی کے لیے مڑ گیا۔ مگر ہاسپٹل کی بینچ پر بیٹھی لڑکی جو بہادر نہ ہونے کے باوجود بہت مخلص تھی۔ اس کے تصور کے پردے پر لہراتی اس کے ساتھ ساتھ تھی۔

☼ ☼ ☼

"یہ لو چابی! آج سے تم گاڑی کی مالک ہو گئیں۔" ضیاء نے اسے چابی تھمائی تو وہ خوش ہو گئی۔

"سچ! تھینک یو ضیاء!"

"لیکن آپی! آپ گاڑی کا کریں گی کیا۔ آپ کو ڈرائیونگ تو آتی نہیں ہے۔" ہدیٰ نے اعتراض کیا۔

"گاڑی لی ہے تو ڈرائیونگ بھی سیکھ لوں گی۔" جس دن سے ابا کو ہارٹ اٹیک ہوا تھا اس پر اپنی ذاتی گاڑی لینے کی دھن سوار ہو گئی تھی۔ اور آخر کار کافی جوڑ توڑ کے بعد وہ سیکنڈ ہینڈ ایف ایکس خریدنے میں کامیاب ہو گئی تھی۔

"اچھا بھئی میں تو چلا۔ آج سونیا کو شاپنگ پر لے جانے کا وعدہ تھا۔ سات دن سے اسے ٹائم نہیں دے پا رہا۔" ضیاء ان بہنوں کو مگن چھوڑ کر چلا گیا۔

"آپی! ہم آپ کی گاڑی میں خوب گھومیں گے۔ بس آپ جلدی سے ڈرائیونگ سیکھ لیں۔" منی نے فوراً ہی پروگرام شروع کیا۔

"ضرور!" اس نے منی کو تسلی دی لیکن خود اس کے ذہن میں بھی یہ مسئلہ تھا کہ اسے ڈرائیونگ سیکھنے کے لیے کیا کرنا چاہیے۔ اپنی جاب کی نوعیت کی وجہ سے کسی مخصوص ٹائم میں کوئی ڈرائیونگ انسٹیٹیوٹ جوائن کرنا بھی ممکن نہیں لگ رہا تھا۔ اس کی اس سوچ بچار میں نوشابہ کی آمد نے خلل ڈالا تھا۔ جب سے ابا ہاسپٹل سے گھر شفٹ ہوئے تھے روزانہ کوئی نہ کوئی ان کی خیریت معلوم کرنے آ ہی جاتا تھا۔

"مبارک ہو بھئی گاڑی لے لی۔" نوشابہ نے گلے ملتے اسے مبارک باد دی۔

"تھینک یو۔" غنوی بھی مسکرائی۔

"کیا جان! اب کس بات کی ٹینشن ہے آپ کو، ماشاء اللہ دو بیٹیوں کی شادی ہو گئی ہے۔ غنوی کے لیے بھی میں نے سنا ہے پھپھو نے شمس کا رشتہ دیا ہے۔ غنوی بھی خوب ترقی کر رہی ہے۔ اب تو آپ کو خوش ہونا چاہیے اور آپ ہیں کہ بستر سنبھال کر بیٹھ گئے۔" تھوڑی دیر میں وہ ابا کے سامنے بیٹھی کہہ رہی تھی۔

"یہ تو تم ٹھیک کہہ رہی ہو بیٹا لیکن بس دل ہی کچھ کمزور ہو گیا ہے۔" ابا نے مسکرا کر جواب دیا۔

"دل کو فکروں سے آزاد کریں۔ ہر چیز خود بخود ٹھیک ہو جائے گی۔ جس اللہ نے اب تک ساتھ دیا ہے۔ آگے بھی وہ انتظام کر جائے گا۔"

شادی کے بعد نوشابہ میں واضح تبدیلی آ گئی تھی۔ غنوی نے ابا کے ساتھ اسے چھوٹی چھوٹی باتیں کرتا دیکھ کر محسوس کر لی تھی۔

"سنا ہے عباس نے اپنی بیوی کو طلاق دے دی۔" ابا سے فارغ ہو کر اس نے غنوی کو سرگوشی میں بتایا۔

"یہ تو بہت برا ہوا۔ پھپھو تین چار دن پہلے آئی تھیں۔ لیکن انہوں نے ایسی کوئی بات نہیں بتائی۔" غنوی کو حیرت کے ساتھ افسوس بھی تھا۔

"ہو سکتا ہے ابا کی طبیعت کی خرابی کی وجہ سے نہ بتایا ہو۔" ساتھ ہی اس نے اندازہ بھی لگایا۔

"آپی! حسنین بھائی اور ان کے پیرنٹس آئے ہیں ابا کو دیکھنے۔ میں نے فی الحال انہیں ڈرائنگ روم میں بٹھایا ہے۔" ہدیٰ نے آ کر اطلاع دی تو موضوع گفتگو بدل گیا۔

"انہیں یہیں لے آؤ۔ طوبیٰ! ابا ڈرائنگ روم تک نہیں جا سکتے۔"

اس نے کمرے میں گنجائش کا اندازہ لگا کر طوبیٰ کو ہدایت دی۔

"اچھا بھئی میں چلتی ہوں، میرے میاں صاحب نے جلدی واپس آنے کا آرڈر دیا تھا۔" نوشابہ جانے کے لیے تیار ہو گئی۔

"رک جاؤ ناں، رات کا کھانا کھا کر جانا۔"

"نہیں بھئی، وہ بڑے نازک مزاج ہیں، اگر دیر ہوئی تو پارہ ہائی ہو جائے گا موصوف کا۔" وہ ایک پل بھی رکنے کو تیار نہیں تھی۔ یقیناً میاں کی نازک مزاجی ہی اس کے مزاج کی تبدیلی کا باعث بنی تھی۔

"السلام علیکم!" غنوی کو نوشابہ کے بارے میں زیادہ سوچنے کا موقع نہیں ملا، حسنین اپنے والدین کے ساتھ وہاں آ چکا تھا۔

"ممی اور ڈیڈی آج ہی سری لنکا سے یہاں پہنچے ہیں۔ میں نے آپ کی طبیعت کی خرابی کا بتایا تو آپ کی مزاج پرسی کے لیے چلے آئے۔" ابا سے ملتے حسنین نے بتایا۔

"بہت نیک اور سمجھ دار ہے آپ کا بیٹا۔ بڑا ساتھ دیا اس نے میری بیماری میں۔" ابا حسنین کے والد سے ہاتھ ملاتے ہوئے اس کی تعریفیں کرنے لگے۔

"یہ تو اس کا فرض تھا۔ بزرگوں کے بڑے حقوق ہوتے ہیں۔ اگر یہ کبھی کوتاہی کرے تو مجھے اطلاع دے دیجئے گا۔ کان پکڑ کر سیدھا کر دوں گا۔" حسنین کے والد کے لہجے میں بیٹے کے لیے محسوس کیا جانے والا مان تھا۔

☼ ☼ ☼

"اچھی ڈرائیونگ کے لیے سب سے ضروری چیز اعتماد ہے۔ اگر آپ میں خود اعتمادی نہیں تو آپ نہ صرف اپنی بلکہ دوسروں کی زندگی بھی خطرے میں ڈال سکتے ہیں۔" حسنین نے غنوی کو گاڑی سکھانے کی آفر کی تھی جو اس نے قدرے ہچکچاہٹ کے بعد قبول کر لی تھی۔

غنوی کے گھبرائے وجود کو دیکھتے اس نے نصیحت کی۔

اتنے دنوں کی پریکٹس کے بعد وہ ٹھیک ٹھاک ڈرائیونگ کرنے لگی تھی۔ صبح صبح کے وقت خالی اسٹریٹس پر گاڑی چلانا کافی آسان لگتا تھا۔ مگر آج جوں ہی اس نے اپنی اسٹریٹ سے گاڑی نکالی، سامنے سے ایک دوسری گاڑی آ گئی۔ غنوی اس سچویشن پر گھبرا کر ہاتھ پاؤں چھوڑ بیٹھی تھی۔ اگر حسنین بروقت کارروائی نہ کرتا تو حادثہ ہو جاتا۔

"میں اس وقت ڈرائیو نہیں کر پاؤں گی۔" وہ بے بسی سے بولی تو حسنین خاموشی سے اپنی سائیڈ کا دروازہ کھول کر ڈرائیونگ سیٹ کی طرف آ گیا۔

غنوی نے برابر والی سیٹ پر کھسک کر اس کے لیے جگہ خالی کی۔

"آپ کو بھی بے حد شوق ہے بڑے بڑے بوجھ اپنے نازک شانوں پر اٹھانے کا۔ مان لیں کہ آپ لڑکیوں کی اس قسم سے تعلق نہیں رکھتیں جو مردانہ وار ہر کام کر گزرتی ہیں۔" وائٹ سوٹ میں تھوڑی دیر پہلے گزرنے والے واقعے کے زیر اثر اس کا چہرہ بھی سفید پڑا ہوا تھا۔

"میں جانتی ہوں کہ میں لڑکیوں کی اس قسم سے تعلق نہیں رکھتی اور نہ مجھے ویسا بننے کا شوق ہے۔ لیکن ویسا بننا میری مجبوری ہے۔ بھائی کی کمی نے ہم بہنوں کو جس عدم تحفظ کا احساس دے رکھا ہے، میں اس سے نکل کر ان کا سہارا بننا چاہتی ہوں۔" پتہ نہیں کیوں وہ اس شخص سے اپنے اندر کے احساسات شیئر کر جاتی تھی۔

"سوری، شاید میں نے آپ کو ہرٹ کیا۔" وہ گاڑی اس کے گھر کے قریب لا چکا تھا۔ گیٹ پر کھڑے ڈیڈی صاف

دکھائی دے رہے تھے۔ انہیں دیکھ کر حسنین کے ذہن میں ان کی کل کی کہی بات گونجی۔ "تم اور غنوئی ساتھ ساتھ بیٹھے بہت اچھے لگتے ہو۔ ذرا فرصت نکال کر اس بات پر غور کرنا۔" گاڑی رکنے پر غنوئی اتر کر فوزیہ کے پاس چلی گئی اور وہ سوچتی نگاہیں اس پر جمائے غور کر رہا تھا۔
مخلص، احساس اور صلاحیت والی لڑکی، جسے تحفظ کا احساس مل جاتا تو یقیناً بہت نکھر سکتی تھی۔

☼ ☼ ☼

"پھپھو مقصد ہم کے لیے تو آ رہی ہیں۔"
"ہاں وہ ٹھیک ہے، لیکن ان پر واضح کر دینا کہ شادی کے لیے جلدی نہ مچائیں۔ غنوئی پہلے اپنا ایف ایس سی مکمل کرے گی۔ پہلے ہی بیچاری اس حادثے کی وجہ سے امتحان نہیں دے سکی۔" امری آپی کی اطلاع پر اس نے خود کو سنبھال کر جواب دیا۔
"پھپھو کچھ اور بھی کہہ رہی تھیں غنوئی۔"
"کیا؟" امری آپی کے جھجکنے نے اسے چونکایا۔
"وہ چاہتی ہیں کہ تمہارا اور عباس کا رشتہ پھر جڑ جائے۔ عباس نے خود مجھ سے بات کی تھی۔ وہ ماضی میں ہونے والی غلطی پر شرمندہ ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ وہ اپنی بیوی سے رشتہ اس لیے قائم نہیں رکھ سکا کہ اس کے دل میں صرف اور صرف تمہارا خیال ہے۔ وہ تمہیں بھلا نہیں پایا غنوئی۔"
"آپی!" صدمے سے وہ کچھ کہہ نہیں سکی۔
"مجھے معلوم ہے تمہیں یہ بات سن کر صدمہ پہنچا ہے لیکن یہ کوئی اتنی معیوب بات بھی نہیں۔ اگر عباس کو اپنی غلطی کا احساس ہے تو تمہیں بھی اس کے لیے معافی کی گنجائش نکال لینا چاہیے۔" امری آپی اسے سمجھا رہی تھیں۔
"وہ شخص جسے رشتے نبھانے نہ آتے ہوں، میں اس سے کوئی رشتہ کیسے جوڑ سکتی ہوں۔ وہ ایک خود غرض اور غیر مستقل مزاج شخص ہے جو زندگی میں کبھی بھی کسی بھی رشتے سے انصاف نہیں کر سکتا۔ میرے لیے اس جیسے شخص کے ساتھ زندگی گزارنا ممکن نہیں۔" غنوئی نے انکار کیا۔
"سو فیصد تو کوئی بھی پرفیکٹ نہیں ہوتا۔ ہمیشہ ایڈجسٹ کرنا پڑتا ہے۔ یاسر کتنے سدھر گئے ہیں لیکن پھر بھی نازک مزاجی اپنی جگہ ہے پھر بھی دیکھو میں ان کے ساتھ گزارا کر رہی ہوں۔ ایسے ہی ضیاء ہے وہ بہت اچھی نیچر کا مالک، لیکن اس کے پاس سونیا کو دینے کے لیے وقت بہت کم ہوتا ہے۔ پھر اس کا ہر وقت شوبز کے لوگوں میں میل ملاپ سونیا کو تشویش میں مبتلا نہیں رکھتا ہوگا کیا۔ لیکن گزارا ہو رہا ہے ناں۔ عباس کی خامیوں پر بھی نظر ڈالو تو اس کی محبت کو ترجیح دے کر دیکھو تمہیں وہ اتنا برا نہیں لگے گا۔"
"اماں اور ابا کی اس بارے میں کیا رائے ہے؟" امری کے اس قدر اصرار پر اس نے چونک کر پوچھا۔
"وہ خوش ہیں لیکن تمہاری رائے بھی معلوم کرنا چاہتے ہیں۔ ابا نے مجھ سے کہا تھا کہ غنوئی کی رائے معلوم کرو۔ غنوئی کے سوا کسی اور بیٹی کا معاملہ ہوتا تو میں خود ہی فیصلہ سنا دیتا لیکن وہ تم سے مختلف ہے۔"
امری آپی کی بات نے اسے مشکل میں ڈال دیا۔ وہ سمجھی تھی کہ ابا نے اسے معاف کر دیا ہے لیکن اس کے معاملے میں خود سے کوئی فیصلہ کرنے سے گریز کر کے انہوں نے ثابت کر دیا تھا کہ انہیں غنوئی پر باقی بیٹیوں جیسا اعتبار نہیں اور وہ اس کی خود سری سے ڈرتے ہیں۔
"آپی! ابا سے کہیے گا کہ غنوئی بھی ان کی بیٹی ہے اور جس طرح وہ اپنی ساری بیٹیوں کے لیے فیصلہ کرنے کا اختیار رکھتے ہیں، میرے لیے بھی جو چاہیں فیصلہ کریں مجھے منظور ہوگا۔" وہ فیصلہ سنا کر رکی نہیں تھی۔

☼ ☼ ☼

"عرشی کا میڈیکل میں ایڈمیشن ہو گیا ہے۔ اس خوشی میں ہم لوگ گھر پر چھوٹا سا ایک فنکشن کر رہے ہیں۔ امری آپی کے ہاں میں اور سونیا دعوت دے آئے تھے۔ پھپھو کے ہاں کل جائیں گے۔ آج کچھ وقت بچ گیا ہے تو سوچ رہا ہوں کہ حسنین کی طرف چلا جاؤں۔ ساتھ ساتھ تمہیں بھی ڈراپ کر دوں گا۔" وہ لوگ اپنا سامان سمیٹ کر آفس سے اٹھنے کی کر رہے تھے جب ضیاء نے اس سے کہا۔
"ڈرائیونگ کہاں تک پہنچی تمہاری؟" گھر کی طرف جاتے ضیاء نے اس سے پوچھا۔
"بس ٹھیک ہی ہے۔" اس کا جواب مختصر تھا۔
"حسنین سے بات ہوئی تھی میری تو کہہ رہا تھا کہ تم آج کل کچھ زیادہ انٹرسٹ شو نہیں کر رہیں کچھ الجھی الجھی

ہو۔ کیا بات ہے کوئی پرابلم ہے کیا؟"
"نہیں بس ایسے ہی دل نہیں لگ رہا۔"
"اگر کوئی مسئلہ ہو تو ضرور بتانا۔ میں تمہارا دوست بھی ہوں اور سونیا کے رشتے سے بھائی بھی۔" ضیاء نے اسے تسلی دی لیکن وہ چپ رہی۔ اسے کسی کی مدد نہیں چاہیے تھی، وہ صرف ابا کی نظروں میں سرخرو ہونا چاہتی تھی۔
"تم بھی میرے ساتھ چلو۔ حسنین کے گھر کی فیملی اتنی باتیں کرتے ہیں۔ میں اکیلا دونوں کو نہیں منا سکتا۔" حسنین کے گھر کے آگے گاڑی روکتے ضیاء نے کہا تو وہ بے ساختہ مسکرا دی۔
"یہ آپ لوگ کپڑوں کی دکان لگائے کیوں بیٹھے ہیں؟" ملازم نے انہیں لاؤنج تک پہنچایا جہاں حسنین کے گھر والے کپڑوں کے ڈھیر کے سامنے بیٹھے تھے۔
"اپنی بہو کے منگنی کے سوٹ کی سلیکشن کر رہے ہیں۔ مگر کوئی فیصلہ نہیں ہو رہا۔" حسنین کی امی نے غنوئی کو پیار کرتے ہوئے بتایا۔
"کیوں؟ اس میں ایسی کیا مشکل ہے؟" ضیاء حیران ہوا۔
"ابھی مجھے ریڈ کلر پسند ہے۔ حسنین اور حیدر پنک اور بلیو پر بحث ہے۔ حسنین کہتا ہے اس پر پنک کلر سوٹ کرتا ہے۔ تمہارے انکل کا کہنا ہے وہ بلیو میں بہت اچھی لگتی ہے۔ اوپر سے آج افشین کے فون پر فون آ رہے ہیں کہ عباس کے لیے منگنی کا جوڑا بھیجنا ہے کلر کا بتا دیجیے۔ آج کل یہ ہی گردان ہے، پھر تم ہی بتاؤ فیصلہ کرنا مشکل ہو گا کہ نہیں۔" آنٹی نے تفصیلات بتائیں۔
"کوئی مشکل نہیں ہے۔ بس میری پسند سے بلیو کلر کا سوٹ پسند کر لو۔ صاحبزادے سے میں خود نمٹ لوں گا۔" حیدر صاحب بڑے پرجوش تھے۔
"صاحبزادے بھی کوئی کم نہیں ہیں۔ اپنی پسند سے ایک انچ نہیں ہٹیں گے۔" حسنین کی امی بیٹے کی مزاج آشنا تھیں۔
"چلو ایسا کرتے ہیں غنوئی سے فیصلہ کروا لیتے ہیں، جو یہ کہے گی وہی ہوگا۔" حیدر صاحب کے یکدم کہنے پر وہ ہونق ہو گئی۔
"انکل! میں کیسے؟ آپ لوگ اپنی مرضی سے پسند کریں۔"
"نہیں غنوئی! تمہارے انکل ٹھیک کہہ رہے ہیں۔ تم ہی اس مسئلے کو حل کرو ورنہ ہم سب تو یوں ہی آپس میں جھگڑتے رہیں گے۔" آنٹی نے بھی زور دیا تو وہ کپڑوں کے ڈھیر پر نظر دوڑانے لگی۔ پنک کلر کا سوٹ جس پر گولڈن زری اور نگ کے امتزاج سے خوبصورت کام بنا ہوا تھا، بہت جلد اس کی نظروں میں آ گیا تھا۔
"یہ دیکھیں آنٹی! یہ سوٹ کیسا ہے؟"
"بہت خوبصورت، حسنین بھی اسی پر زور دے رہا تھا۔" انہوں نے اسے داد دیتے ہوئے بتایا۔
"کیوں حیدر صاحب! اچھی لگے گی نا ہماری بہو اس جوڑے میں؟" ساتھ ہی حیدر صاحب کی رائے بھی مانگی۔
"کیوں نہیں تمہارے رنگ بھی ہماری بہو کے ہیں۔" حیدر صاحب کے لہجے میں بڑا پیار تھا۔
"حسنین جیسا نفیس شخص اور اتنے پیار کرنے والے سسرال۔ جس لڑکی کو ملیں وہ یقیناً بڑی خوش نصیب ہوگی۔" غنوئی نے دل میں سوچا۔
"یہ حسنین حیدر کی منگنی کب طے پائی۔ انہوں نے مجھے نہیں بتایا حالانکہ ہم روز ملتے ہیں۔" واپسی میں وہ ضیاء سے پوچھ رہی تھی۔
"اچھا! حالانکہ اسے تمہیں ہی سب سے پہلے بتانا چاہیے تھا۔" ضیاء کے لہجے میں شرارت تھی۔
"آپ میں نے یہ بھی نہیں کہا۔" وہ خفا سی گھر میں گھس گئی۔ ضیاء ہنستے ہوئے اس کے پیچھے ہی تھا۔

☼ ☼ ☼

"ماموں جان! جلدی سے ہاں کریں تو ہمارے گھر میں بھی کوئی تقریب منعقد ہو جس میں ہم تمہاری خاطر ہو سنوروں۔" وہ گولڈ فارنگ کی فراک پہنے ہوئے گلاس ہاتھ میں پکڑے کھڑی تھی کہ عباس اس کے سامنے آ کھڑا ہوا۔
"مجھے تم سے کچھ ضروری باتیں کرنا ہیں عباس۔" ناگواری کے شدید احساس کو اپنے اندر چھپاتے اس نے عباس سے کہا۔
"زہے نصیب! چلو باہر چلتے ہیں۔ یہاں تو بہت لوگ ہیں۔ سکون سے کوئی بات نہیں ہو سکتی۔" عباس کی باچھیں کھل گئی تھیں۔ غنوئی نے نظر اٹھا کر ادھر ادھر نظر ڈالی۔ ہر ایک خوشی کی لہروں میں مگن تھا۔ اپنی کامیابی پر نازاں عرشی باری باری سب کے ساتھ فوٹوگراف بنوا رہی تھی۔

"میں چاہتی ہوں کہ ہماری انگیجمنٹ ہو جائے لیکن شادی چند سالوں بعد مُنّی اور بدری کے کسی لائق ہونے کے بعد ہو۔" ضیاء کے گھر کے سامنے نیم تاریک اسٹریٹ پر چلتے اس نے عباس سے کہا تھا۔

"میں تو سمجھا تھا کہ اتنے سالوں میں تم سدھر گئی ہو گی لیکن تمہاری تو وہی پچھلے والی ضد ہے۔" عباس نے ناگواری سے کہا۔

"یہ ضد نہیں ہے عباس! مجبوری ہے۔ اکیلے ابا کیا کچھ کریں گے اور اب ہارٹ اٹیک کے بعد تو انہیں کسی سہارے کی بہت زیادہ ضرورت ہے۔" اس نے اپنا لہجہ مصالحانہ رکھا۔

"ان سارے مسائل سے میرا کوئی تعلق نہیں۔" عباس نے رکھائی سے جواب دیا۔

"میں جلد از جلد تم سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔ اب مجھ سے تمہارے بغیر نہیں رہا جاتا۔" اس کا فیصلہ بہت حتمی تھا۔

"یہ کیسی محبت ہے عباس! جو تمہیں قربانی کا درس نہیں دیتی۔"

"میری محبت تو مجھے صبر کا بھی درس نہیں دیتی۔" اس نے یکدم ہی غنوی کا دوپٹہ کھینچ لیا۔

"بدتمیزی مت کرو عباس۔" وہ چیخی۔ نیم تاریک سڑک جس پر چلتے چلتے وہ گھر سے کافی دور نکل آئے تھے اور عباس کے تیور اسے ڈرا رہے تھے۔

"اسی بدتمیزی کے لیے میں تمہیں یہاں تک لایا ہوں غنوی نصیر! اب تم اس دوپٹے کے بغیر لوٹو گی تو پھر کون ہو گا جو تمہاری پارسائی پر یقین کرے۔ اور پھر اماں جان کے پاس میرے لیے ہاں کرنے کے سوا کوئی چارہ نہ ہو گا۔"

"مگر تمہیں ایسا کرنے کی کیا ضرورت ہے' اماں تو پہلے ہی راضی ہیں۔" غنوی کی حیرانی پر اس نے ایک زوردار قہقہہ لگایا۔

"تمہاری یہی لاعلمی تو تمہیں مار گئی غنوی نصیر! سنو اماں جان مجھے صاف انکار کر چکی ہیں۔ امی نے بتایا ہے کہ تمہارا کسی دوسری جگہ سے بہت اچھا رشتہ آیا ہوا ہے۔ لیکن گھر والے سر پر اوڑھنے کے چکر میں تمہیں کچھ نہیں بتا رہے۔" وہ کون سے انکشافات کر رہا تھا' غنوی کا سر چکرانے لگا۔

"میرا دوپٹہ واپس کرو عباس۔" حیرانی کے لمحے سے نکل کر اسے اپنی اکورڈ پوزیشن کا احساس ہوا تو چلائی۔

"یہ تو خیر ممکن نہیں۔ بلکہ میں سوچ رہا ہوں' تمہارا حلیہ تھوڑا سا اور خراب کر دوں' تاکہ لوگوں کا شک یقین میں بدل جائے۔" وہ اس کی طرف بڑھا تھا کہ ایک زوردار دھکے نے اسے لڑکھڑا دیا۔

"تم کیا اس کے باڈی گارڈ ہو' جو ہر دفعہ دخل اندازی کے لیے آ جاتے ہو۔" سامنے موجود شخص کو دیکھ کر عباس جھنجلا رہا تھا۔

"درست اندازہ لگایا تم نے اور مزید تمہاری اطلاع کے لیے عرض کر دوں کہ یہ ذمہ داری میں نے ساری زندگی کے لیے اٹھانے کا ٹھیکہ لے لیا ہے۔" اس کے ہاتھ سے دوپٹہ جھپٹ کر غنوی کو دیتے اس نے کہا اور پھر ایک زوردار ٹھوکر عباس کی پسلیوں میں ماری۔

"تم کو تو میں چھوڑوں گا نہیں۔ غنوی صرف میری ہے۔" عباس کراہتے ہوئے چیخا۔ "اس نے بھی میرے ساتھ دھوکا کیا' حسنین کے لیے ہاں کروا دی تو کیا میرے لیے نہیں کروا سکتی تھیں۔"

"میں تمہیں اس لائق ہی نہیں چھوڑوں گا کہ تم آئندہ غنوی کا نام بھی لے سکو۔" اس نے عباس کو ٹھوکروں پر رکھ لیا تھا۔

"بس کریں حسنین۔" غنوی نے یکدم ہی اس کے ہاتھ پر ہاتھ رکھتے اسے روکا تو وہ یکدم ہی رک گیا۔

"تمہیں کس نے کہا تھا اس وقت اس پاگل کے ساتھ باہر آنے کو۔" غنوی کے ساتھ واپسی کے لیے قدم اٹھاتے اس نے اسے گھورا۔

"میری لاعلمی کا فائدہ اٹھا کر وہ مجھے یہاں تک لایا تھا۔" غنوی نے اسے تفصیل بتائی۔

"شکر ہے وہ تو بدری نے تمہیں اس کے ساتھ باہر نکلتے دیکھ لیا اور مجھے اطلاع دے دی۔ ورنہ یہ ذہنی مریض شخص اپنے عزائم تمہیں بتا ہی چکا تھا۔"

"لیکن یہ پھر دوبارہ مجھے تنگ کرنے کی کوشش نہ کرے۔" غنوی کو خوف محسوس ہوا۔

"آئندہ یہ تمہاری طرف دیکھنے کی جرأت بھی نہیں کر سکے گا۔ یہ صرف اس لیے شیر بنا ہوا تھا کہ تمہیں اکیلا سمجھتا تھا۔ لیکن آج کے بعد میں تمہارے ساتھ ہوں اور

اسے میرے ہاتھوں کی مار سے نہیں صدمہ اور اہو گا تو میں نے سی (اللہ نہ کرے) اگر اس پر چھوڑوں گا۔"

حسنین اپنے عزائم کا اظہار کر رہا تھا۔ غنوی نے الجھ کر اس کی طرف دیکھا۔ ابھی تھوڑی دیر پہلے اس نے عباس سے بھی ایسی ہی کوئی بات کی تھی۔ حسنین کے گھر میں اس کی منگنی کی تیاری' خود اس کے اپنے گھر میں پھوپھو کی بروقت آمد' گھر والوں کا پراسرار رویہ' بات کچھ کچھ سمجھ میں آنے کے بعد بھی ابھی الجھی ہوئی تھی۔

"احمقوں کی طرح آنکھیں پٹپٹانے کے بجائے تھوڑا شرمانے کی پریکٹس کرو۔ نیکسٹ ویک منگنی کے بجائے ہم دونوں کا نکاح ہو رہا ہے۔"

"نکاح؟ لیکن اتنی اچانک یہ سب کیسے ہو سکتا ہے۔"

"دیکھو بھئی بات یہ ہے کہ میں منگنی' مایوں' مہندی جیسے فضول فنکشنز کا بالکل قائل نہیں۔ اس لیے ڈائریکٹ نکاح کا فیصلہ کیا ہے۔" وہ جو اس سے منگنی نہ ہونے کی وجہ پوچھ رہی تھی' جبکہ وہ اسے نکاح کے اسباب بتا رہا تھا۔

"مجھ سے کسی نے اتنی بڑی بات کا ذکر ہی نہیں کیا۔" اسے صدمہ ہوا۔

"تو تم نے خود ہی تو فیصلے کا حق ابا کو دے دیا تھا۔ اب کیا انکار کرنا چاہتی ہو۔"

"نہیں یہ بات نہیں مگر ابا۔" اس نے اپنا جملہ ادھورا چھوڑا۔

"ہاں تمہارے خیال میں ابا تم پر عباس کو مسلط کرنے کا فیصلہ کر کے بیٹھے تھے۔ عقل مند خاتون! انہوں نے صرف تمہاری رائے جاننا چاہی تھی۔ اس لیے نہیں کہ انہیں تم سے گستاخی کا ڈر تھا بلکہ اس لیے کہ وہ تمہیں اپنی سب بیٹیوں میں عقل مند اور دانا سمجھتے ہیں۔ لیکن انہیں کیا معلوم کہ ان کی سب سے احمق بیٹی میرے پلے بندھنے والی ہے۔"

"تو نہ کریں آپ مجھ سے شادی۔ کبھی میں آپ کو دل جلی لگتی ہوں' کبھی احمق' کبھی عقل سے عاری۔" وہ وہیں رک کر اس سے الجھنے لگی تھی۔

"شادی تو مجھے تم سے ہی کرنا ہے۔ کیونکہ یہ میری مجبوری ہے۔" وہ خود بھی رک گیا تھا اور سینے پر ہاتھ باندھے بہت دلچسپی سے نیم تاریکی میں اس کے چہرے کے نقوش تلاش کر رہا تھا۔

"کیسی مجبوری۔" وہ چونکی۔

"مجھے تم سے محبت جو ہو گئی ہے۔" وہ اطمینان سے بولا۔

"دیوار پھلانگ کر گھر میں گھسنے والی لڑکی سے اتفاقاً محبت۔"

"ہاں لیکن اس محبت میں تمہارے اس کرتب کا کوئی دخل نہیں۔ کیونکہ یہ محبت بہت آہستگی سے بتدریج ہوئی ہے۔ مجھے تمہارے ظاہر نے نہیں بلکہ باطن نے تسخیر کیا ہے۔ تم احساس کی دولت سے مالا مال ہو اور میں اپنی زندگی کی ساتھی میں یہی خوبی دیکھنا چاہتا ہوں۔" وہ بہت سنجیدگی سے اعتراف کر رہا تھا۔

"تو آپ مجھے میرے گھر والوں کو سپورٹ کرنے دیں گے۔" اس کے لیے اس سوال کا جواب بہت اہم تھا۔

"بالکل' بلکہ میں خود تمہارا ساتھ دوں گا۔ اصل ہمسفر تو وہی ہوتا ہے جو اپنے پیار کے ہر دکھ سکھ میں اس کا ساتھ دے۔"

"تھینک یو حسنین۔" اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے۔

"اف! مجھے لگتا ہے ساری عمر میں یہ آنسو ہی صاف کرتا رہوں گا۔"

"ہوئے! یہ کیا تم لوگوں نے بیچ راستے میں لیلیٰ مجنوں کا ڈرامہ شروع کر رکھا ہے۔" ایک کرخت دار آواز پر غنوی گھبرا کر پیچھے ہٹی تھی۔ سامنے ضیاء کھڑا قہقہہ لگا رہا تھا۔

"تو کل اخبار میں خبر لگوا دے کہ ایم جیز ایڈ پروڈکشن کے مینیجنگ ڈائریکٹر کا 'صحافی خاتون' غنوی نصیر سے کھلے عام معاشقہ۔"

حسنین نے ضیاء کے بازو پر مکا مارتے ہوئے کہا۔

"نہیں بھئی' اب تو ہم ایڈورٹائزنگ Aim کے ایم ڈی اور اپنے اخبار کی نامور صحافی کی شادی کی خبر لگائیں گے۔" ضیاء نے بہت خلوص سے حسنین کے گلے میں بازو ڈال کر کہا۔

اگلے ہی پل فضا ان کے جاندار قہقہوں سے گونج رہی تھی۔ غنوی کی شرمیلی اور دھیمی ہنسی بھی ساتھ شامل تھی۔ چاروں واپس گھر کی طرف چل دیے تھے اور نئی رت ان کے استقبال کو سامنے کھڑی تھی۔ اس رت میں سکھ کا سورج بھی خوشیوں کی نوید لیے ان کے گرد بکھرا رہا تھا۔